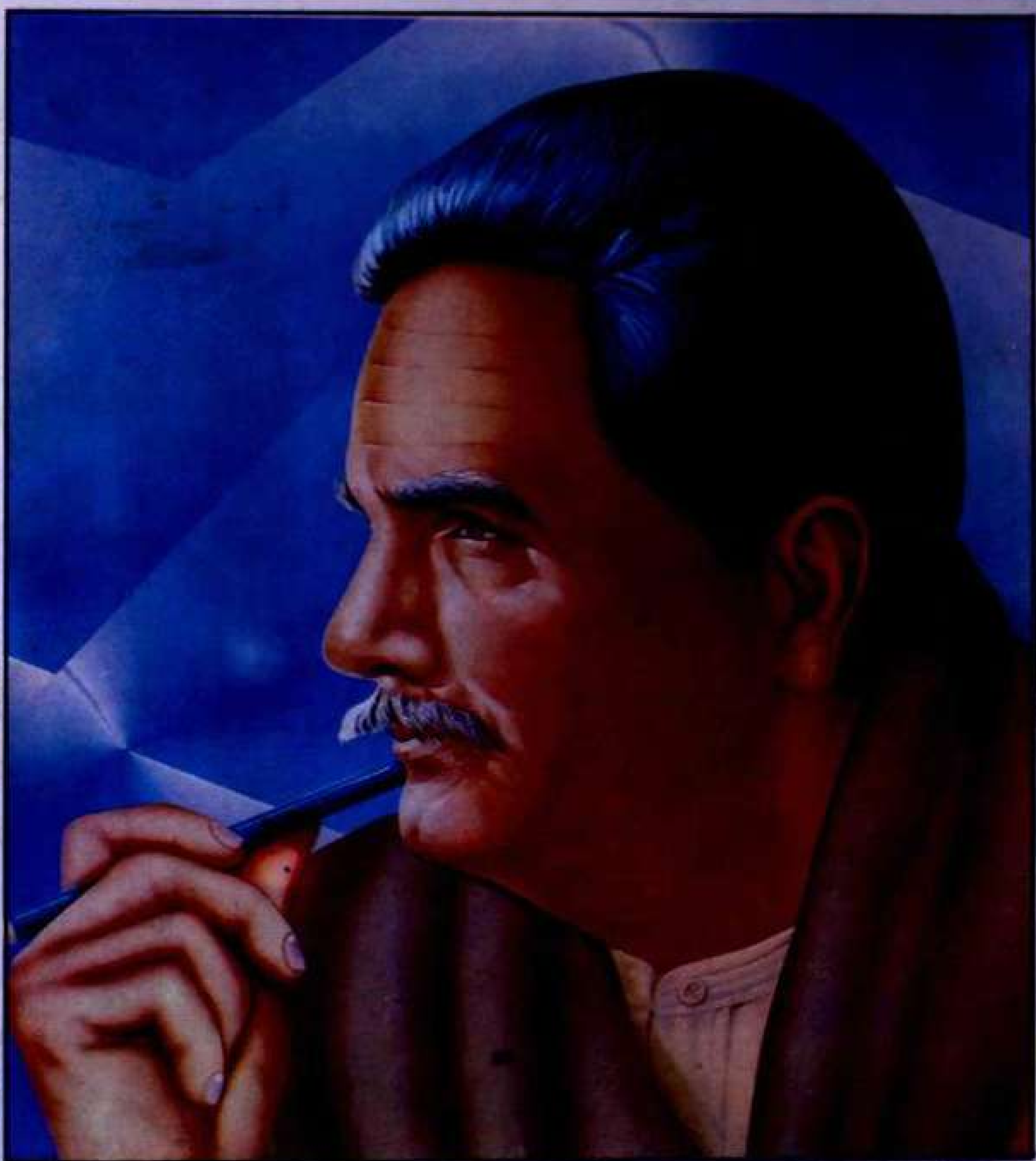
سیرِ افلاک



عبدالعلیم صدیقی



سیرِ افلاک

علامہ اقبال کی تصنیف "جاوید نامہ" کا منظوم اردو ترجمہ

عبدالعلیم صدیقی



مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک انارکلی لاہور

2000ء

اہتمام

ڈاکٹر ظفر مقبول

مقبول اکیڈمی

۱۹۹۔ سرکلر روڈ، چوک انارکلی لاہور

Phones : 7233165 - 7324164

Email : zmaqbool@one.net.pk

قیمت -/275 روپے

مطبع :۔ خورشید مقبول پریس لاہور

فہرست مضامین



جاوید نامہ کو علامہ اقبال کی تصانیف میں نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ یہ فارسی ادبیات میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ اس میں انہوں نے افلاک (ستاروں) اور آں سوئے افلاک کے اپنے روحانی سفر کی روداد بیان کی ہے۔ جنت الفردوس تک وہ مرشدِ رومی کے ہمراہ انہی کی رہنمائی میں راہ طے کرتے ہیں اس کے آگے تنہا جا کر بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہوتے ہیں۔ ستاروں کو افلاک کا نام غالباً اس وجہ سے دیا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی معراج میں افلاک کا ذکر ہے۔

ہر فلک کی اپنی الگ دنیا ہے۔ گوناگوں احوال و مقامات ہیں۔ یورپ اور ایشیا کی مختلف تاریخی شخصیتوں سے ملاقاتیں ہوتی ہیں جن سے وہ بہت سے موضوعات و مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔ نئی نئی صورتِ حالات اور منظر سامنے آتے ہیں اور تنوع پسند طبیعت کو ڈرامے جیسا لطف فراہم کرتے ہیں۔

یہ ایک طویل تمثیلی نظم ہے۔ فلسفیانہ و حکیمانہ نکات اور حقائق و معارف کو شاعری میں اس طرح سمویا ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ پوری کتاب میں جذبہ و فکر کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ یہ نظم اقبال کی قدرتِ کلام کا بہترین نمونہ ہے۔ تمام تر شاعرانہ وسائل کو خوبصورتی و فنی مہارت کے ساتھ بروئے کار لا کر اسے ادبی لطافتوں اور رعنائیوں کا ایک دلآویز مرقع بنا دیا ہے۔

جاوید نامہ کا پہلا ایڈیشن 1932ء میں شائع ہوا۔ اس کے بارے میں سب سے پہلا مضمون چوہدری محمد حسین نے خود اقبال کی رہنمائی میں تحریر کیا۔ اس لئے ہر لحاظ سے مستند ہے۔ ذیل میں اس کا اختصار دیا جا رہا ہے۔

جاوید نامہ دراصل "معراج نامہ" ہے۔ اسرار و حقائق معراجِ محمدیہ پر کتاب

لکھنے کا ایک مدت سے حضرت علامہ کو خیال تھا- اسی اثناء میں اٹلی کے مشہور شاعر شاعر دانتے کی کتاب "ڈیوائن کامیڈی" پر کئی نئی اہم تنقیدات یورپ میں شائع ہو چکی تھیں جن میں اس حقیقت کو پایہ ثبوت تک پہنچایا گیا کہ ڈیوائن کامیڈی کے آسمانی ڈرامے کا پلاٹ بلکہ اس کے بیشتر تفصیلی مناظر ان مقامات پر مبنی ہیں اور ان کی نقل ہیں جو اسلام میں معراجِ محمدیہ کے متعلق بعض احادیث و روایات میں مذکور ہوئے یا بعد میں بعض مشہور متصوفین و ادباء کی ان کتابوں میں درج ہوئے جن میں انہوں نے مختلف نقطہ ہائے خیال سے معراجِ نبویؐ کی شرح لکھی- ایک حد تک اس واقعہ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ بجائے عام تشریحی انداز میں معراج نامہ لکھنے کے جو وسعتِ مضامین کے لحاظ سے یقیناً حقائق معراج کے مباحث ہی تک محدود رہتا' دانتے کے انداز میں ادبی نقطہ نظر سے "معراجِ اقبال" لکھا جائے جس میں قیدِ مباحث سے آزادی ہو اور تخیل و ادراک تاویل و تفسیر کے محدود دائرے سے گزر کر فکر و بصیرت اور اختراع و الہام کی جن لا محدود فضاؤں تک پرواز کرنا چاہیں بآسانی کر سکیں- "جاوید نامہ" اور "ڈیوائن کامیڈی" یہ مرکب الفاظ باہم مترادف نہیں- تاہم بادی النظر میں ایک معنوی سی مناسبت موجود ہے- حضرت علامہ کے فرزند ارجمند جاوید اقبال کا نام بھی کسی حد تک جاوید نامہ ہونے کا ذمہ دار ہے- لیکن ان خاص معنوں میں جاوید نامہ کتاب کا وہ آخری حصہ ہے جو آسمانی ڈرامے کے خاتمہ کے بعد بطور ضمیمہ آتا ہے اور جس کا نام "خطاب بہ جاوید" (سخنے بہ نژادِ نو) ہے-

ہسپانیہ کے بعض مستشرقین کی جدید تحقیقات نے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ دانتے کی ڈیوائن کامیڈی کا ماخذ اولاً وہ احادیث نبوی ﷺ ہیں جن میں معراج کی کیفیات اور تفصیلات مروی ہیں- ثانیاً وہ کتب تصوف و اسلامی ادب جن میں معراجِ نبوی ﷺ پر روشنی ڈالنے کے علاوہ سیاحت علوی اور مشاہدۂ تجلیات کا ذکر کیا

گیا ہے- اس سلسلہ میں محی الدین ابنِ عربی کی مشہور کتاب "فتوحات مکیّہ" اور ابوالعلا معری کی تصنیف "رسالتہ الغفران" خاص طور پر قابل ذکر ہیں- میڈرڈ یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر آسن (Asin) اپنی معرکتہ الآرا کتاب "اسلام اینڈ ڈیوائن کامیڈی" میں لکھتے ہیں کہ آٹھویں صدی سے لے کر تیرھویں صدی عیسوی کے دوران، علماء، محدثین، مفسرین، صوفیا، حکماء اور شعراء سب نے مل کر ان روایات کو ایک مذہبی تاریخی حکایت کا لباس پہنایا- ان تمام روایات کو یکجا کر کے اگر ڈیوائن کامیڈی سے موازنہ کیا جائے تو مشابہت کے بے شمار مقامات سامنے آجاتے ہیں-

معراج کے مذہبی اور علمی پہلو کے علاوہ ایک پہلو وہ ہے جسے تصوف کا پہلو کہنا چاہیے- مختلف صوفیاء نے مختلف رنگوں میں تجلی ذات کے مشاہدہ کا ذکر کیا ہے- محی الدین ابنِ عربی نے فتوحاتِ مکیّہ میں سیاحتِ علوی میں دو افراد کو اپنا رہنما ساتھی بنایا ہے- ان میں سے ایک فلسفی ہے، دوسرا عالمِ دین اور ان کی زبان سے تمام علوم و فنون و مسائل و مباحث کے متعلق اس انداز میں اظہار خیال کیا ہے کہ گویا یہ سب خیالات و انکشافات و الہامات ہیں جو ان کے قلب پر معراج میں وارد ہوئے- محی الدین ابنِ عربی کا معراج نامہ زیادہ تر مذہبی ہے- معراج نامہ کا تیسرا پہلو خالص ادبی اور فنکارانہ ہے- مشہور عربی نابینا شاعر ابو العلا معری کا رسالتہ الغفران اسی ادبی پہلو کا حامل ہے-

پروفیسر آسن کی تحقیق کے مطابق معراج کی روایت مغرب میں ہسپانوی علماء اور صوفیائے کرام کے ذریعے پہنچی- دانتے کی ڈیوائن کامیڈی کو معراج کے ادبی پہلو کا دوسرا بڑا نمونہ کہنا چاہیے- دانتے نے محی الدین ابنِ عربی کی کتاب فتوحات مکیّہ سے بہشت و دوزخ و اعراف کی تمام منازل و مناظر کو نقل کیا ہے- اسی طرح تمام علوم مروجہ پر اپنی سیر کے دوران بحثیں کی ہیں اور سیاسی و تاریخی واقعات وغیرہ کی

بحث سے اپنی کتاب کی خوبیوں اور دلچسپیوں کو بڑھایا ہے۔

دانتے کی وفات سے تقریباً چھ سو سال کے بعد اقبال کا جاوید نامہ اہل مشرق کے سامنے دورِ حاضر کی مقتضیات و ترقیات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مباحث و مقاصد کو پیش کر کے اس حصہ دنیا میں انقلابات کی پیش گوئی کرتا ہے۔

جاوید نامہ کو ہم واقعہ معراج کی اسلامی روایت کا تیسرا ادبی نمونہ کہیں گے۔

جاوید نامہ کو ڈیوائن کامیڈی اور فتوحاتِ مکیہ سے دو باتیں ممیز کرنے والی ہیں۔ پہلی یہ کہ اس میں وہ تمثیلی مظاہرات و اشارات ناپید ہیں جو عموماً ہر مقام پر ملتے ہیں اور جن کی وجہ سے آج تک ان کے بعض مباحث عقدۂ لانیحل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسری یہ کہ اقبال نے زیادہ تر ستاروں (وہ بھی صرف چھ) کی سیاحت پر اکتفا کیا ہے۔ دوزخ و اعراف کے نزدیک بھی نہیں گئے بلکہ بجائے ساتویں ستارے میں پہنچنے کے "آں سوئے افلاک" جا نکلے ہیں اور یہ غالباً اس لئے کہ "جنت اور حضور و تجلی" کے نئے تصورات اور نئے مقاصد و معانی دنیا کے سامنے رکھنے مطلوب تھے۔ جن لوگوں کو جہنم میں دکھانے کی ضرورت تھی ان کو فلکِ زحل کے ایک قلزمِ خونیں میں مبتلائے عذاب دکھایا ہے۔ وہ صرف مذہبی یا اخلاقی حیثیت ہی سے مجرم نہیں بلکہ انہوں نے ملک و ملت سے غداری کی تھی اور ان کو دوزخ نے بھی اپنے اندر لینا قبول نہیں کیا تھا۔

اقبال کا جاوید نامہ مغربی شاعر دانتے کی ڈیوائن کامیڈی کی طرح مشرقی ادبیات کی ڈیوائن کامیڈی ہے۔ ڈیوائن کامیڈی کی طرح یہاں بھی شاعر مختلف ستاروں کی سیر کرتا ہے اور مختلف مشاہیر کی روحوں سے ملاقات کر کے ان سے باتیں کرتا ہے۔ اس ضمن میں دورِ حاضر کے تمام سیاسی' مذہبی' معاشرتی' اخلاقی و اصلاحی مسائل

زیرِ بحث آئے ہیں۔

2

علامہ اقبال کے فارسی کلام کے منظوم تراجم کے سلسلہ کی یہ میری تیسری کتاب ہے۔ اس سے پہلے دو کتابیں "ارمغانِ مشرق" اور "عرفانِ بے خودی" شائع ہو چکی ہیں جو بالترتیب رباعیات (قطعات) اور مثنوی "رموزِ بے خودی" کے ترجموں پر مشتمل ہیں۔ ان کو توقع سے زیادہ پذیرائی ملی جس سے میرا حوصلہ اور اعتماد بڑھا۔

میں نے 1960ء کی دہائی میں جب گورنمنٹ کالج میرپور، آزاد کشمیر میں لیکچرار تھا۔ اقبال کے فارسی کلام کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کا ارادہ اس خیال سے کیا کہ اقبال ہمارے قومی شاعر ہیں لیکن ان کا بیشتر کلام فارسی زبان میں ہے اور اس میں انہوں نے نئے نئے لطیف اور دلکش پیرائے میں اپنے افکار و خیالات کا اظہار کیا ہے جن سے اہلِ ملک بالخصوص نئی نسل کو روشناس کرانا ایک مفید کام ہوگا، لیکن ابھی "پیامِ مشرق" کی چند مختصر نظموں کے ترجمے ہی کئے تھے کہ ایک ایسی افتاد آپڑی کہ "یاراں فراموش کردند عشق" مجھے 1967ء میں گورنمنٹ کالج باغ کا پرنسپل مقرر کر دیا گیا۔ یہ ایک انتظامی نوعیت کی ہمہ وقتی ذمہ داری ہوتی ہے جسے سنبھالنے کے بعد میری ساری توجہ فرائضِ منصبی کی ادائیگی پر مرکوز رہی۔

آخر 1985ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوا تو پھر مجھے اسی کام کی طرف یکسوئی سے دھیان دینے کا وقت ملا۔ مجھے اس بات کا احساس تھا کہ اقبال جیسے شاعر کے کلام کا منظوم ترجمہ کرنا آسان نہیں۔ معیار کا تقاضا تھا کہ معنی اور اسلوب، روح اور ہیئت کو اس طرح گرفت میں لایا جائے کہ ترجمہ نہ معلوم ہو، اصل کا گمان ہو۔ میں نے اس سے پہلے صحافت اور تدریس کے صحراؤں میں گھوڑے دوڑائے تھے۔ اس نئی جولاں گاہ میں اترا تو ایسا محسوس ہوا کہ بحرِ ظلمات اب آیا ہے۔ تاہم اس مہم کو سر

کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ میرے ذوق کی رہنمائی اور اقبال سے فکری و جذباتی ہم آہنگی نے آسانی بہم پہنچائی۔ ان کے ایک ایک شعر کو پڑھنے، دل میں اتارنے اور پھر ترجمہ کرنے میں ایسا لطف آیا کہ اب میں یہ لکھتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں کہ اقبال کے سارے فارسی کلام کو اردو میں منتقل کر دیا ہے۔ پیامِ مشرق، زبورِ عجم، اسرارِ خودی اور پس چہ باید کرد کے ترجمہ بھی مکمل ہو چکے ہیں اور ان میں آخر تک وہی معیار برقرار رکھا ہے جو "ارمغانِ مشرق" کا ہے۔ انشاء اللہ جلد طباعت کے مراحل سے گزر کر قارئین تک پہنچیں گے۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کا تہہِ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہر مرحلہ پر اپنے مفید و گراں قدر مشوروں سے نوازا۔ پروفیسر مسعود احمد خاں کا بھی بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کے مسودہ کو بالاستیعاب دیکھا، بعض کوتاہیوں کی نشاندہی کی نیز نہایت کاوش و جستجو کے بعد ان مشاہیر کے، جن کا ذکر آیا ہے، مختصر سوانح حیات مرتب کیے۔ انہیں کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل کر دیا گیا ہے۔

عبد العلیم صدیقی
پلندری (ضلع سدھنوتی)
آزاد کشمیر

مناجات

سات رنگوں کے جہاں میں آدمی ہے ہر زماں
حسرت و غم سے مثالِ چنگ مصروفِ فغاں

آرزوئے ہم نفس پیہم جلاتی ہے اسے
نالہ ہائے دلربایا نہ سکھاتی ہے اسے

پانی اور مٹی سے لیکن جب بنا ہے یہ جہاں
کیسے کہہ سکتے ہیں دل سے آشنا ہے یہ جہاں

بحر و دشت و کوہسار و کاہ ہیں خاموش و کر
آسمان و مہر و نجم و ماہ ہیں خاموش و کر

گو فلک پر ہے ستاروں کا ہجومِ بے کراں
ہر ستارہ دوسرے سے بڑھ کے تنہا ہے وہاں

وہ ہمارے ہی طرح مجبور ہیں بے چارہ ہیں
چرخِ نیلی فام کی پہنائی میں آوارہ ہیں

بے نصیب و نابلد رختِ سفر سے کارواں
رات تاریک و طویل اور آسماں ہے بے کراں

کیا خبر صیاد ہیں ہم اور ہے عالم اسیر
یا کہ پھر از یاد رفتہ آپ ہی ہیں ہم اسیر

آہ و زاری کا مری کوئی جواب آتا نہیں
کیا جہاں میں ہم نفس فرزندِ آدم کا نہیں



ہم نے دیکھا ہے فقط روزِ جہانِ چار سو
وہ کہ جس کے نور سے ہوتے ہیں روشن کاخ و کو

ایک سیارے کے رم پر منحصر اس کا وجود
کیا کہیں اس روز کو جو کچھ نہیں جز رفت و بود

اے خوشا وہ روز جو آزاد ہے ایام سے
صبح ناواقف ہے جس کی نیمروز و شام سے

نور سے اس روز کے روشن اگر ہو جائے جاں
دیکھیں ہم مانندِ رنگ آواز کو بھی بے گماں

غیب اس کی تابشِ پیہم سے بنتا ہے حضور
اس کی نوبت جاوداں ولا یزال و بے مرور

اے خدا کر دے مجھے و چار ایسے روز سے
دے نجاتِ اس روز سے بے مایہ ہے جو سوز سے



آیہ(☆) تسخیر کس کی شان کرتی ہے بیاں؟
کس کی عظمت دیکھ کر حیراں ہے نیلا آسماں؟

آشنا تھا رازِ ہائے عَلَّمَ الْاَسمَاء(☆) سے کون؟
مست اس ساقی سے تھا سرشار اس صہبا سے کون؟

(☆) وسخّر لکم الشمس والقمر و آبئین و سخّر لکم اللیل والنهار۔

(☆) و علّم آدم الاسما و کلّها۔

کس کو تو نے چار سو میں برگزیدہ کر دیا؟
کس پہ تو نے رازِ پنہاں آشکارا کر دیا؟

ایسا لگتا ہے گڑا ہے تیر سینے میں مرے
حرف (٭٭) اُدعُونی کہا تھا کس نے، کس سے، کس لئے؟

اے ترا چہرہ میرا ایمان ہے قرآن ہے
تیرے جلوے سے مگر محروم میری جان ہے

خواہ کتنی ہی بکھر جائیں شعاعِ آفتاب
کم نہیں ہوتی کبھی ہرگز متاعِ آفتاب



پاؤں میں پہنے ہے زنجیرِ خرد عصرِ رواں
جیسی میں رکھتا ہوں ایسی جانِ مضطر ہے کہاں؟

مدتوں ہر آن پیچ و تاب کھاتا ہے وجود
تب جہاں میں ہوتی ہے اک جانِ مضطر کی نمود

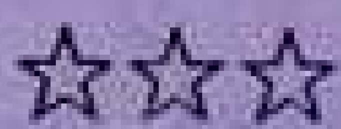
تو اگر ناخوش نہ ہو تو کہہ دوں، یہ بنجر زمیں
آرزو کے بیج کو زنہار راس آتی نہیں

ایسے شورہ زار سے ہوتا ہے کچھ حاصل کہاں
یہ غنیمت ہے بہت اگ آئے گر اک دل یہاں

(٭٭) قال ربکم ادعونی استجب لکم۔ (تمہارے رب نے فرمایا "اے میرے بندو، تم مجھے پکارو، میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا"

تو کہ میرا چاند ہے میرے شبستاں میں اتر
کر مری بے نوری جاں پر کسی دم اک نظر

آگ کے شعلے کو پروائے خس و خاشاک کیا!
برق کو گرنے میں کوئی خوف کیسا، باک کیا!



زندگی اس طرح فرقت میں گزاروں کب تلک
وانما و آشکارا کر دے آں سوئے فلک

رحم کر اور بند دروازوں کو مجھ پر باز کر
خاک کو بھی قدسیوں کا ہمدم و ہمراز کر

ایسی بھڑکا دے اک آتش سینہ روشن ہو مرا
عود کو رہنے دے باقی اور ایندھن کو جلا

اور پھر رکھ دے وہ اسی آتش پہ میرے عود کو
عرصۂ آفاق میں پھیلا دے میرے دود کو

میرے پیمانے کی آتش اور بھی کچھ تیز کر
اک تغافل میں نگاہِ التفات آمیز کر

مجھ کو تری جستجو ہے اور تو نظروں سے دور
نے غلط، تو سامنے ہے اور مری آنکھیں ہیں کور

یا ہٹا دے سامنے سے پردۂ اسرار کو
یا مرے تن سے اٹھا لے جانِ بے دیدار کو

میرا نخلِ فکر ہے نا آشنائے برگ و بر
یا تبر سے کاٹ اسے یا بھیج دے بادِ سحر

عقل جب تو نے عطا کی ہے جنوں بھی دے مجھے
چاہتا ہوں میں کہ جذبِ اندروں بھی دے مجھے

علم کو ہوتا ہے حاصل فکر سے کوئی مقام
عشق کے کاشانے کو کہتے ہیں قلبِ لاینام (٭)

علم جب تک عشق سے ہوتا نہیں ہے فیضیاب
اک تماشا خانۂ افکار ہے' بے رنگ و آب

یہ تماشا خانہ سحرِ سامری ہے اور بس
علم بے روح القدس افسوں گری ہے اور بس

بے تجلی مردِ دانا راستہ کب پاتا ہے
اپنے ہی افکار کی لاتوں سے مارا جاتا ہے

بے تجلی زندگی ہوتی ہے رنجوری کا نام
عقل مہجوری کا نام اور دین مجبوری کا نام

(٭) لاینام = بیدار

یہ جہانِ کوہ و دشت و مرغزار و بحر و بر
میں تو خواہاں ہوں نظر کا یہ سناتا ہے خبر

بخش دے اب منزلِ شوق اس دلِ آوارہ کو
مہرباں ہو کر ملا دے ماہ سے ماہ پارہ کو

گرچہ میری گل سے کچھ اگتا نہیں ہے جز کلام
حرفِ مجبوری مرا لیکن نہیں ہوتا تمام

چرخِ گرداں کے تلے میں خود کو پاتا ہوں غریب
آسماں کے پار سے آواز دے "اِنّی قریب" (☆)

تاکہ جیسے آفتاب اور چاند ہوتے ہیں غروب
ڈوب جائیں یہ جہات اور یہ شمال اور یہ جنوب

اس طلسمِ دوش و فردا سے رہا ہو جاؤں میں
ماہ و خورشید و ثریّا سے رہا ہو جاؤں میں



(☆) اِنّی قریب = میں قریب ہوں

تو فروغِ جاوداں ہے اور ہم مثلِ شرار
ایک دو پل رکھتے ہیں ہم اور وہ بھی مستعار!

کشمکش سے تو ہے مرگ و زیست کی ناآشنا
رشک تجھ پر کرتا ہے یہ کون ہے بندہ ترا؟

یہ ہے تیرا بندۂ آفاق گیر و ناصبور
نے غیاب اس کی طبیعت کو خوش آئے نے حضور

میں زمانے میں ہوں آنی، جاودانی کر مجھے
میں زمینی ہوں، خدایا آسمانی کر مجھے

ضبط جس میں ہو وہ گفتار اور وہ کردار دے
راہیں میرے سامنے ہیں، قوتِ رفتار دے

جس کی باتیں کہتا ہوں میں وہ جہاں ہی اور ہے
یہ کتاب آئی جہاں سے، آسماں ہی اور ہے

میں ہوں ایسا بحر جس میں ہے کم آشوبی خطا
بحر کی تہ میں اترنے کا ہے کس کو حوصلہ؟

ایک جہاں محوِ تماشا گو ہے ساحل پر مگر
جز رمِ موج اور کیا آئے کنارے سے نظر

ناامیدی ہی مجھے دیتے ہیں پیرانِ کہن
آنے والے دن کی جانب ہے مرا روئے سخن

نوجوانوں کے لئے کر سہل میرے حرف کو
ہے یہی میری دعا پایاب کر دے ژرف (٭) کو



(٭) ژرف = گہرائی

تمہیدِ آسمانی

آفرینش کے اولیں روز آسمان
کا زمین کو ملامت کرنا

زندگی کا اقتضا ہے لذّتِ غیب و حضور
اس لئے پیدا کیا اس نے جہانِ نزد و دور

یوں کیا تارِ نفس کو توڑ کر خود سے جدا
ہو گیا آغاز حیرت خانۂ ایّام کا

خودنمائی کی تمنا خودگری کا طور ہے
ہر کہیں یہ نعرہ ہے، میں اور ہوں تو اور ہے

راہ پر چلنا نجوم و ماہ کو سکھلا دیا
جگمگا دی کس قدر روشن چراغوں سے فضا

آسمانِ نیلگوں پر لے کے آیا آفتاب
اک سنہری شامیانہ جس کی چاندی کی طناب

سمتِ مشرق سے ہوئی صبحِ نخستیں (☆) رونما
عالمِ نوزادہ کو آغوش میں اس نے لیا

(☆) نخستیں = پہلی

نوعِ انسان کا دیار اک خاکداں تھا اور بس
اس کا ہر دشت و جبلِ بے کارواں تھا اور بس

نے پہاڑوں سے کسی ندی کی رزم آرائی تھی
نے کسی بادل نے صحرا میں جھلک دکھلائی تھی

نغمہ شاخوں میں پرندوں نے ابھی چھیڑا نہ تھا
مرغزاروں نے رمِ آہو ابھی دیکھا نہ تھا

اس کے بحر و بر تھے یکسر بے تجلی ہائے جاں
بن گیا تھا اس کے پیکر کی ردا اٹھتا دھواں

بے خبر بادِ بہارِ جاں فزا سے تھا ابھی
اندرونِ خاک تھا سویا ہوا سبزہ ابھی

چرخِ نیلی نے دیا طعنہ کہ میں نے اے زمیں
اس طرح کا حال دیکھا ہے کسی کا بھی نہیں

کون ہے جو میری پہنائی میں تجھ سا کور ہے
اک مری قندیل سے تجھ کو میسر نور ہے

خاک اگر الوند بھی بن جائے پھر بھی خاک ہے
روشن و پائندہ کب وہ صورتِ افلاک ہے

زندگی کر دلبرانہ طور سے کردار سے
ورنہ مرجا اس زبوں حالی کے ننگ و عار سے

آسماں کا طعنہ سن کر تھی زمیں اندوہ گیں
شرمسار و نا امید و دل گرفتہ و حزیں

ایسا تڑپی پیشِ حق بے نوری کے آزار سے
اک ندائے دلکشا آئی فلک کے پار سے



اے امیں، اپنی امانت کی نہیں تجھ کو خبر
غم نہ ہر گز کر ضمیر اپنا ذرا دیکھ اک نظر

زندگی کے شور سے ہے روز تابندہ ترا
یہ نہیں وہ نور جو سمتوں میں ہے پھیلا ہوا

ہے سحر کی روشنی مرہونِ مہرِ داغ دار
نورِ جاں سے دور لیکن ہے غبارِ روزگار

نورِ جاں بے راستہ رہتا ہے سرگرمِ سفر
چاند سورج کی شعاعوں سے ہے وہ سیّار تر

نقشِ امید اپنی لوحِ جاں سے دھو ڈالا ہے کیا؟
نورِ جاں تو ہوگا تیری خاک ہی سے رونما

عقلِ آدم کی اسیری میں جہاں آجائے گا
عشق کی شبخوں کی زد میں لا مکاں آ جائے گا

فکر اس کی جان لے گی راہ کو بے راہبر
آنکھ اس کی ہوگی جبرائیل سے بیدار تر

خاک ہوگا وہ مگر پرواز میں مثلِ ملک
اک رباطِ کہنہ اس کی راہ میں ہوگا فلک

آسماں کو یوں چبھے گی اس کی ہستی کی روش
جس طرح ہو پرنیاں میں نوکِ سوزن کی خلش

پاک کر دے گا وہ سب داغوں سے دامانِ وجود
اس کی نظروں سے بدوں سارا جہاں کور و کبود

اپنی طینت سے وہ کم تبیج ہے خون ریز ہے
پر زمانے کی ترقی کے لئے مہمیز ہے

آنکھ روشن اپنے کر لے گا بفیضِ کائنات
دیکھ لے گا ذات کو جو ہے نہاں اندر صفات

وہ کہ شیدائی ہوا حسن و جمالِ ذات کا
بن گیا سیدّ وہی دنیائے موجودات کا



نغمہ ملائک

کسی دن نوریوں سے ہوگی تابِ مشتِ خاک افزوں
زمیں ہوگی اسی کے کوکبِ تقدیر سے گردوں

کرے گا پرورش سیلِ حوادث فکر کی اس کے
نکل جائے گا وہ گردابِ چرخِ نیلی سے بیروں

نگہ کر معنیٔ آدم پہ خود، ہم کیا کہیں تجھ سے
طبیعت میں کھٹکتا ہے ابھی، ہو جائے گا موزوں

یہی پامال مضموں اس طرح موزوں کبھی ہوگا
کہ اس کے حسن سے یزداں کا دل ہو جائے گا پُرخوں



تمہیدِ زمینی

مولانا رومی کی روح ظاہر ہوتی ہے
اور معراج کے اسرار بیان کرتی ہے

عشقِ شور انگیز کی فطرت ہے بے پروائے شہر
اس کے شعلے کو بجھا دیتا ہے غوغا ہائے شہر

جستجو خلوت کی ہے اس کو بدشت و کوہسار
یا لبِ دریائے آہستہ خروش و بے کنار

جب نہ یاروں میں کوئی محرم نظر آیا مجھے
دل سکوں کے واسطے لایا لبِ دریا مجھے

وہ سماں دریا کا ہنگامِ غروبِ آفتاب
تھی شفق پانی میں لرزاں صورتِ لعلِ مذاب (٭)

کور کو ذوقِ نظر بھی بخش دیتا ہے غروب
شام کو رنگِ سحر بھی بخش دیتا ہے غروب

جانے کب تک اپنے دل سے میں رہا محوِ کلام
آرزوئیں، جستجوئیں سامنے آئیں تمام

(٭) مذاب = پگھلا ہوا

میں کہ آنی ہوں حیاتِ سرمدی سے بے نصیب
زندہ کہلاتا ہوں لیکن زندگی سے بے نصیب

تشنہ لب تاہم کنارِ آب سے بیگانہ میں
یہ غزل بے اختیار اک درد سے گاتا تھا میں



غزل

تو لب کشا ہو کہ شکریں بارشِ فراواں کی آرزو ہے
نقاب رخ سے اٹھا کہ نظارۂ گلستاں کی آرزو ہے

اک ہاتھ میں ہو شراب کا جام اک ہاتھ میں زلف یار کی ہو
اسی طرح سے چمن میں رقصِ نشاط ساماں کی آرزو ہے

کہا جو ناز و ادا سے تو نے کہ "جا مجھے اب نہ کر پریشاں"
یوں ہی پھر اک بار "جا مجھے اب نہ کر پریشاں" کی آرزو ہے

جہاں میں' اے عقل' رہ پراگندہ گو اسی طرح شوق سے تو
مجھے تو' اے عشق' بس ترے نکتۂ پریشاں کی آرزو ہے

یہ آب و نانِ سپہر گرداں تو صورتِ سیل بے وفا ہے
مری طبیعت کو مثلِ ماہی نہنگ و عماں (٭) کی آرزو ہے

مرا دل اندوہ گیں ہے فرعون اور اس کی ستم گری سے
مجھے زمانے میں نورِ حبیبِ کلیمِ عمراں کی آرزو ہے

کل ایک درویش شہر میں پھر رہا تھا دن کو چراغ لے کر
کہ میں درندوں سے تنگ آیا ہوں ایک انساں کی آرزو ہے

(٭) عماں = سمندر

اداس رہتا ہے دل مرا سست رو رفیقانِ ہم سفر سے
کہ مجھ کو شیرِ خدا و رستم سے مردِ میداں کی آرزو ہے

کہا جو میں نے ترے دل و جاں کی آرزو کا نہیں ہے حاصل
کہا کہ حاصل نہیں ہے جس کا مرے دل و جاں کی آرزو ہے"

(رومی)



موجِ مضطر پانی کے بستر پہ تھی اب محوِ خواب
تیرگی ہر سمت پھیلی چھپ گیا جب آفتاب

ہاں، مگر اس کے خزینے سے چرا کر لائی شام
اک ستارہ جیسے شاہد ہو کوئی بالائے بام

روحِ رومی نے اچانک چاک پردوں کو کیا
اک پہاڑی کے عقب سے ہو گئی وہ رونما

چہرہ اس کا تھا درخشندہ مثالِ آفتاب
اس کی پیری میں جوانی کی طرح تھی آب و تاب

جگمگاتا اس کے پیکر کو تھا نورِ سرمدی
درحقیقت تھا سرو راس کا سرودِ سرمدی

اس کے لب پر سرِّ پنہانِ وجود آ ہی گیا
حرف اور آواز کا جب آپ ہی بندھن کھلا

حرف تھے یا سامنے آئینۂ آویختہ
علم اور سوزِ دروں دونوں بہم آمیختہ

میں نے پوچھا "کیا ہے موجود اور ناموجود کیا؟
معنیٔ محمود کیا مفہومِ نامحمود کیا؟"

یوں کہا "موجود وہ ہے چاہتا ہے جو نمود
آشکارا خود کو کرتا ہے تقاضائے وجود

زندگی ہے خود کو کرنا خویش سے آراستہ
اور پھر آپ اپنی ہستی پر شہادت چاہنا

انجمن روزِ الست آراستہ خود کی تھی جب
اپنی ہستی پر خدا نے بھی شہادت کی طلب

کیا ہے تو؟ زندہ ہے یا مردہ ہے یا ہے جاں بلب
تین شاہد ہیں شہادت جن سے کرنا ہے طلب

شاہدِ اوّل تو بے شک ہے شعور اپنا ترا
اپنی ہستی کو خود اپنے نور ہی سے دیکھنا (☆)

شاہدِ ثانی ترا پھر ہے شعورِ دیگرے
یعنی خود کو دیکھنا ہے دوسرے (☆) کے نور سے

شاہدِ ثالث شعورِ ذاتِ حق ہے اب ترا
نورِ ذاتِ حق (☆) سے اپنے آپ کو ہے دیکھنا

سامنے اس نور کے رہ جائے گر تو استوار
تو بھی حق کی طرح خود کو حیّ و قائم کر شمار

اپنے منصب پر پہنچنا بے سہارا ہے۔ حیات
دیکھنا ذاتِ خدا کو آشکارا ہے حیات

(☆) انا اپنے موجود ہونے کا یقین۔ (☆) اپنے آپ کو دوسروں سے جدا سمجھنا۔
(☆) اپنی خودی کو اس درجہ مستحکم کرنا کہ خدا کے سامنے استوار رہ سکے۔

مطمئن کرتی نہیں ہیں مردِ مومن کو صفات
مصطفیٰؐ ہر گز نہیں راضی ہوئے لا بذات

کیا ہے معراج؟ آرزوئے لذتِ دیدار ہے
امتحاں مقصود اپنا روبروئے یار ہے

شاہد عادل سے حاصل گر نہ ہو تصدیق اسے
زندگی ہم کو ہے جیسے رنگ و بو گل کے لئے

سامنے اس کے کوئی رہتا نہیں ہے استوار
اور جو رہ جائے وہ لاریب ہے کامل عیار

تو جو ذرّہ ہے نگہ رکھ اپنی آب و تاب پر
ہاتھ سے ہر گز نہ جائے، رکھ گرہ میں باندھ کر

ہے اس آب و تاب کو پیہم بڑھانا خوب تر
پیشِ خورشیدِ جہاں تاب آزمانا خوب تر

اپنے اس فرسودہ پیکر کو بطرزِ نو تراش
ہر زماں کرتا رہ اپنا امتحاں، موجود باش

اس طرح موجود جو ہے بس وہی محمود ہے
ورنہ نارِ زندگانی کیا ہے یکسر دود ہے"



میں نے پھر پوچھا کہ "پیشِ حق ہو جانا کس طرح؟
کوہِ خاک و آب کو رہ سے ہٹانا کس طرح؟

آمر و خالق تو بالاتر ہے امر و خلق سے
کس طرح کانٹا زمانے کا نکالیں حلق سے؟"

یہ جواب آیا کہ "ہاتھ آئے اگر سلطاں (☆) تجھے
توڑنا افلاک کو ہو سکتا ہے آساں تجھے

ٹھہر جب تک سامنے بے پردہ آئے کائنات
اور دھوئے اپنے دامن سے غبارِ شش جہات

بے کم و بیش اس کی ہستی پھر نظر آئے تجھے
اس سے اپنے آپ کو دیکھ اس کو اپنے آپ سے

نکتۂ اِلّا بسلطاں یاد رکھ ہر گام پر
ورنہ پھر مور و ملخ کی طرح سے مٹّی میں مر

یہ ولادت کا طریقہ ہے کہ اے مردِ نکو
اس جہانِ چار سو میں آئے ہیں ہم اور تو

پھر ولادت ہی سے دنیا سے بروں جا سکتے ہیں
پھر رہائی بندھنوں کو توڑ کر پا سکتے ہیں

(☆) سلطاں = طاقت، اقتدار (☆) الا بسلطان = تلمیح بآیہ شریفہ 'یا معشر الجن الخ'

یہ ولادت وہ ہے جو مرہونِ آب و گل نہیں
آشنا اس کے معانی سے جز اہلِ دل نہیں

وہ ہے مجبوری و لیکن یہ ہے کامل اختیار
وہ ہے سو پردوں میں پوشیدہ مگر یہ آشکار

اُس کی آنکھوں میں ہیں آنسو، اِس کے لب پر خندہ ہے
یعنی وہ ہے جستجو میں اور یہ یا بندہ ہے

اس کی جولانی ہے پابندِ حدودِ کائنات
یہ سراپا سیر ہے بیرونِ اطراف و جہات

زندگانی میں اُسے محتاجی روز و شب کی ہے
روز و شب کی حیثیت اِس کے لئے مرکب کی ہے

ایک طفلک کی ولادت تو ہے اشکم کی شکست
پر ولادت مردِ کامل کی ہے عالم کی شکست

اُس ولادت پر اذاں نوکِ زباں سے کہتے ہیں
اِس ولادت پر اذاں اعماقِ جاں سے کہتے ہیں

جس گھڑی بیدار جاں پیدا بدن میں ہوتی ہے
کیفیت لرزہ کی اس دیرِ کہن میں ہوتی ہے"



میں نے جب پوچھا "حقیقت اس ولادت کی ہے کیا
"زندگانی ہی کی یہ اک شان ہے" اس نے کہا

زندگانی کے یہ دو انداز ہیں، غیب و حضور
ایک رکھتا ہے ثبات اور دوسرے میں ہے مرور

وہ کبھی جلوت میں آکر خود کو پگھلا دیتی ہے
مرتکز ہو کر کبھی خلوت میں ٹھہرا لیتی ہے

اس کی جلوت کو درخشاں کرتا ہے نورِ صفات
اس کی خلوت کو مگر کرتا ہے روشن نورِ ذات

عقل اس کو کھینچتی رہتی ہے جلوت کی طرف
عشق اس کو کھینچتا رہتا ہے خلوت کی طرف

عقل اپنے ڈھنگ سے ہے دہر میں زور آزما
چاہتی ہے اس طلسمِ آب و گل کو توڑنا

ٹھیرتا ہے اس کے حق میں راہ کا ہر سنگ ادیب
بنتے ہیں اس کے لئے برق اور بادل بھی خطیب

آنکھ گو ذوقِ نگہ سے اس کی بیگانہ نہیں
اس میں لیکن جرات و ایقانِ رندانہ نہیں

مثلِ کور انجانے خطروں سے بہت ڈرتی ہے وہ
راہ مورِ ناتواں کی طرح طے کرتی ہے وہ

عقل رنگ و بو کی ہے آفاق میں دلدادہ تر
پس سفر کرتی ہے راہِ دوست میں آہستہ تر.

اس طرح تدریج سے کام اس کا پاتا ہے نظام
جانے کب تک کر سکے گی کام کو اپنے تمام

عشق ہے نا آشنا لاریب سال و ماہ سے
بے خبر ہے دیر و زود و نزد و دورِ راہ سے

عقل گاہے ڈالتی ہے کوہ کے اندر شگاف
گاہے اس کے گرد خود ہی کرنے لگتی ہے طواف

کوہ آئے عشق کے آگے تو مثلِ کاہ ہے
دل سریع السیر ہے جیسے فلک پر ماہ ہے

لا مکاں پر مارنا شبخوں ہے شیوہ عشق کا
قبر کو بن دیکھے دنیا سے ہے جانا عشق کا

عشق کی قوت نہیں ہے باد و خاک و آب سے
وہ توانا تر نہیں ہے سختئ اعصاب سے

عشق نے نانِ جویں پر فتح خیبر کو کیا
چاک پل میں پیکرِ ماہِ منور کو کیا

کلہ نمرود کو بے ضرب توڑا عشق نے
لشکرِ فرعون کو بے حرب مارا عشق نے

آنکھ میں جیسے نظر اندر بھی ہے باہر بھی ہے
وہ درونِ خانہ ہے جاں میں برونِ در بھی ہے

عشق انگارہ بھی ہے اور عشق خاکستر بھی ہے
کام اس کا دین و دانش سے کہیں برتر بھی ہے

عشق سلطانِ حقیقی عشق برہانِ مبیں
یہ جہاں اور وہ جہاں بھی اس کے ہے زیرِ نگیں

لازماں ہے عشق لیکن دوش و فردا اس سے ہے
لامکاں ہے عشق لیکن زیر و بالا اس سے ہے

جب خودی کا وہ خدائے پاک سے طالب ہوا
سارا عالم اس کا مرکب اور وہ راکب ہوا

اس کے دم سے آشکارا تر مقامِ دل ہوا
جذب اس بتخانۂ پارینہ کا باطل ہوا

عاشق اک یزداں سے رشتے ہی کو دیتے ہیں ثبات
عقل کو کرتے ہیں قرباں اس کی تاویلوں کے ساتھ

تو جو عاشق ہے مکاں سے لامکاں کی سمت چل
تو ہو بیگانہ اجل سے، تجھ سے بیگانہ اجل

تو کہ مردہ کی طرح ہے تیرگی میں گور کی
سُن! اٹھا سکتے ہیں تجھ کو بے صدائے صور بھی

ہیں نہاں تیرے گلو میں نغمہ ہائے خوب و نغز
خاک کے اندر رہے گا کب تلک تو مثلِ (٭) چغز

تو مکاں کا اور زماں کا بن کے راکب شاد ہو
یکسر اس زنار کے پیچاک سے آزاد ہو

تیز تردو چشم بھی کر تیز تردو گوش بھی
جو بھی دیکھے ہوش مندی سے اسے کر نوش بھی

عرصۂ عالم میں. جو آوازِ موراں سنتا ہے
وہ بشر دوراں سے بھی اسرارِ دوراں سنتا ہے

مجھ سے حاصل کر نگاہِ پردہ سوز اے ہم نشیں
آنکھ کے اندر مقید ہو کے جو رہتی نہیں

آدمی کیا ہے؟ فقط دیدار ہے باقی ہے پوست
اور ہے دیدار کیا؟ دیدار ہے دیدارِ دوست

تو اگر دیدار کا طالب ہے پیدا کر نگاہ
ہاں، بنا لے اپنے سارے تن کو پگھلا کر نگاہ

وسعتِ نہ ٔ آسماں سے تو ہے ترساں کس لئے؟
اس فراخائے جہاں سے تو ہے ترساں کس لئے؟

چغز = مینڈک

دیکھ آنکھیں کھول کر کیا ہے مکاں کیا ہے زماں
تجھ پہ روشن ہوگا یہ دونوں بھی ہیں احوالِ جاں

زاں کہ جلوے سے نگہ در ماندہ و بے چارہ ہے
اختلافِ دوش و فردا اس کا پیدا کردہ ہے

جب تلک دانہ ہے ظلمت خانہ گل میں چھپا
ہے. فضائے آسماں سے بے خبر' نا آشنا

کیا اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس جائے فراخ
میں وہ کر سکتا ہے خود کو آشکارا شاخ شاخ؟

اس کا جوہر کیا ہے؟ اک لا انتہا ذوقِ نمو
اس کی ہستی اور مقام و مرتبہ ذوقِ نمو



تو یہ کہتا ہے کہ ہے جاں کے لئے محمل بدن
دیکھ کیا ہے سرِّ جاں؟ اے بے خبر تن پر نہ تن

اس کی یہ اک شان ہے محمل جسے کہتا ہے تو
سن کہ محمل اس کو کہنا ہے فریبِ گفتگو

کیا ہے جاں؟ سرشاری و جذب و سرور و سوز و درد
ذوقِ تسخیرِ زمین و آسمانِ گرد گرد!

کیا ہے تن؟ دنیائے رنگ و بو میں رہنے کی رضا
اس مقامِ چار سو کی قید سہنے کی رضا

قربت و دوری کا دنیا میں ہے صورت گر شعور
کیا ہے معراج؟ اصل میں ہے "انقلاب اندر شعور"

انقلابِ اندر شعور آتا ہے جذب و شوق سے
جذب و شوق آزاد کر دیتا ہے تحت و فوق سے

تن ہماری جاں کا ہو انباز' (☆) ایسا بھی نہیں
مشتِ گل ہو مانعِ پرواز' ایسا بھی نہیں



(☆) انباز = شریکِ کار

زرداں جو روحِ زماں و مکاں ہے
مسافر کو عالمِ بالا کی سیاحت کیلئے ساتھ لے جاتا ہے

سن کر ان باتوں کو میری جاں بہت بے تاب تھی
تن کے ہر ذرہ کی حالت صورتِ سیماب تھی

ناگہاں دیکھا کہ شرق و غرب کے ہے درمیاں
اک سحابِ نور جس میں چھپ گیا ہے آسماں

اس سحابِ نور سے اترا اک افرشتہ وہاں
جس کے دو چہرے تھے اک جیسے تھا آتش اک دھواں

ایک شب کی طرح تاریک ایک تھا روشن شہاب
ایک کی بیدار آنکھیں ایک کی تھیں محوِ خواب

اس کے بازو کی تھی رنگت سرخ، سیمیں، لاجورد
سبز، اودی، کاسنی، نیلی، سنہری اور زرد

تھا مزاج اس کا خیال آسا سبک رو، تیز پر
اس زمیں سے کہکشاں تک اس کو اک پل کا سفر

دل میں تازہ تر تمنا ہوتی تھی پیدا ہر آن
ہر گھڑی دیگر فضا میں اس کی رہتی تھی اڑان

کچھ توقف سے وہ یوں گویا ہوا "زرداں ہوں میں
جابر و قاہر ہوں میں، ظاہر ہوں میں، پنہاں ہوں میں

جو بھی ہے، ناطق ہو یا صامت، مرا نخچیر ہے
اور مری تقدیر سے وابستہ ہر تدبیر ہے

شاخ سے غنچہ کی ہے بالیدگی دم سے مرے
آشیاں میں مرغ کی نغمہ گری دم سے مرے

ہے مری پرواز کے اعجاز سے دانہ نہال
فیض میرا ہر جدائی کو بناتا ہے وصال

میں ہی کرتا ہوں عتاب اور میں ہی کرتا ہوں خطاب
تشنگی کرتا ہوں پیدا پھر میں لاتا ہوں شراب

زندگی و مرگ و میزان و قیامت بھی ہوں میں
دوزخ و رضوان و حور و باغِ جنت بھی ہوں میں

آدمی ہو یا فرشتہ حکم کا پابند ہے
عالمِ سبابِ شش روزہ مرا فرزند ہے

شاخ پر ہر پھول کو ملتا ہے مجھ سے رنگ و نم
دیکھتا ہے تو جسے، ہر شے کو دیتا ہوں جنم

یہ جہانِ چار سو ہے میرے جادو میں اسیر
جو مری سانسوں سے ہوتا جاتا ہے ہر لحظہ پیر

اپنے دل میں لی مع (☆) اللہ کو لیا جس نے اتار
کر دیا میرا طلسم اس مردِ حُر نے تار تار
تو اگر یہ چاہتا ہے میں نہ ٹھہروں درمیاں
عینِ جاں سے لی مع اللہ پڑھ کے ہو جا کامراں



(☆) لی مع اللہ (حدیث شریف) حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "(ترجمہ) مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا وقت میسر ہے جو کسی نبی مرسل یا فرشتہ مقرب کو میسر نہیں۔

جانے کیا اس کی نگہ میں سحر تھا اعجاز تھا
میری آنکھوں سے جہانِ کہنہ اوجھل ہو گیا

یا اچانک میری آنکھ اک اور عالم میں کھلی
یا یہی دنیا تھی جو یکسر دگرگوں ہو گئی

ناگہاں میں کائناتِ رنگ و بو میں مر گیا
اور اک بے ہا و ہو عالم میں پھر زندہ ہوا

منقطع میرا جہانِ پیر سے رشتہ ہوا
اک نئے ہی رنگ کا عالم مرے ہاتھ آ گیا

ایک عالم کے زیاں سے جاں تڑپتی تھی مری
اک جہانِ نو نے میری گل سے پائی زندگی

تن ہوا میرا سبک تر اور جاں سیار تر
میری چشمِ دل ہوئی بینندہ تر، بیدار تر

تھے جو پردے میں مناظر ہو گئے جلوہ نما
کیا سماں تھا میں نے جب یہ نغمہ انجم سنا



زمزمہ انجم

عقل تری متاعِ زیست، عشق ہے سرِّ کائنات
پیکرِ خاک خوش بیا، ایں سوئے عالمِ جہات

زہرہ و ماہ و مشتری تجھ سے رقیبِ یک دگر
تیری نگاہ کے لئے کشمکشِ تجلیات

جلوے ہیں راہِ دوست میں تازہ بتازہ نو بنو
صاحبِ شوق کو نہیں راس پرانے کلّیات

صدق و صفا ہے زندگی، نشوونما ہے زندگی
کر تگ و تاز تا ابد ملکِ خدا ہے زندگی

شوقِ غزل سرائی کو بخش دے اذنِ ہاوہو
محتسب اور رند کو بادہ پلا سبو سبو

شام و عراق و ہندو پارس ہو گئے خوگرِ نبات
وہ جو ہیں خوگرِ نبات دے انہیں تلخ آرزو

بحرِ بلند موج سے چھیڑ دے ایک معرکہ
کر جوئے آب کو عطا لذتِ سیلِ تند خو

مردِ فقیر آگ ہے، میری و قیصری ہے خس
فال و فرِ ملوک کو حرف ہے اک برہنہ بس

دبدبۂ قلندری، طنطنۂ سکندری
وہ ہمہ جذبۂ کلیم، یہ ہمہ سحرِ سامری

وہ ہے نگہ سے فتحیاب، یہ ہے سپہ سے فتحیاب
وہ ہمہ صلح و آشتی، یہ ہمہ جنگ و داوری

دونوں ہیں فاتحِ جہاں، دونوں کی آرزو دوام
یہ بہ دلیلِ قاہری، وہ بہ دلیلِ دلبری

ضربِ قلندری لگا، سدِّ سکندری کو توڑ
رسمِ کلیم تازہ کر، رونقِ ساحری کو توڑ



فلکِ قمر

فلکِ قمر

یہ زمین و آسماں ملک خدا ہے بے گماں
اپنی میراث اختر و خورشید و ماہ و کہکشاں

یہ زمین و آسماں ملکِ خدا ہے بے گماں
اپنی میراث اختر و خورشید و ماہ و کہکشاں

اس سفر کی راہ میں جو کچھ نظر آئے تجھے
دیکھتا جا ایک محرم کی نگاہوں سے اسے

اجنبی کی طرح اپنے دیس میں اصلا نہ چل
اے کہ خود سے گم ہے تو اب خوفِ بیجا سے نکل

یہ سبھی جو حکم تو دیتا ہے کرتے ہیں وہی
اقتضا جو تیری خدمت کا ہے کرتے ہیں وہی

یہ جہاں کچھ بھی نہیں ہے جز بتانِ چشم و گوش
اس کے ہر فردا کو مرنا ہوتا ہے مانندِ دوش

تو بیابانِ تمنا میں ہو پیہم رہ سپر
یعنی ابراہیم بن اس بتکدے کا بے خطر

جب تو آخر یہ زمین و آسماں طے کر چکے
یہ جہاں طے کر چکے اور وہ جہاں طے کر چکے

اپنے رب سے پھر نیا ہفت آسماں بھی کر طلب
سو زماں بھی کر طلب اور سو مکاں بھی کر طلب

زندگی ہے کیا پڑے رہنا لبِ جوئے بہشت
مست و بیخود بے نیازِ حرب و ضربِ خوب و زشت

جستجو سے گر فراغت میں ہے انساں کی فلاح
خلدِ رنگ و بو سے خوشتر قبر کی آرام گاہ

اے مسافر ٹھہرنا ہے جاں کے مرنے کا پیام
زندہ تر اس کو بنا دیتی ہے پروازِ مدام



ہم سفر تجھ کو مہ و انجم کا ہونا خوب ہے
راحت و آرام میں اک پل نہ کھونا خوب ہے

آخرش جس دم فضاؤں میں ہوا میں پے سپر
پہلے جو اوپر تھا اب نیچے مجھے آیا نظر

خاکِ تیرہ بن گئی تھی روکشِ قندیلِ شب
میرا سایہ اور میرے سر کے اوپر' اے عجب!

ہر گھڑی ہر ثانیہ نزدیک سے نزدیک تر
اب نظر کے سامنے آیا کہستانِ قمر

مجھ سے رومی نے کہا "وہم و گماں سے پاک ہو
بے تامل خوگرِ رسم و رہِ افلاک ہو

گرچہ دوری ہے بہت، ہم سے شناسا ہے قمر
پہلی منزل اس سفر کے راستے کا ہے قمر

اس کے دیرو زود کا معیار دیکھا چاہیے
اس کے کہساروں میں جو ہیں غار دیکھا چاہیے"



وہ سکوت و خامشی وہ کوہسارِ ہولناک
اندروں اس کا تھا پر سوز اور بیروں چاک چاک

سو جبل تھے خافطین ویلدرم جیسے وہاں
آگ تھی ان کے شکم میں اور دہن پر تھا دھواں

اس کے اندر سے کبھی اگتا نہیں سبزہ کوئی
اور طائر بھی فضاؤں میں نہیں اڑتا کوئی

ابر پارے اس کے بے نم اور ہوائیں تند و تیز
وہ زمینِ مردہ سے اس کے تھیں مصروفِ ستیز

اک جہانِ کہنہ و فرسودہ تھا بے رنگ و صوت
نے نشانِ زندگی تھا کوئی نے آثارِ موت

ناف میں اس کی نہیں تھا ریشۂ نخلِ حیات
صلب (٭) میں اس کے زمانے کے نہیں تھے حادثات

گرچہ وہ ہے ایک رکنِ دودمانِ (٭٭) آفتاب
صبح و شام اس کی نہیں لائی تھی کوئی انقلاب!

پیر رومی نے کہا "اٹھ اور قدم آگے بڑھا
دولتِ بیدار کو ہاتھوں سے اپنے مت گنوا

(٭) صلب = ریڑھ کی ہڈی (٭٭) دودماں = خاندان

اس کے ظاہر سے بہت اچھا ہے باطن کا سماں
اس کے اندر جو نہاں ہے وہ ہے اک دیگر جہاں

جو بھی اب آ جائے تیرے سامنے اے مردِ ہوش
تو اسے کر لے اسیرِ حلقہ ہائے چشم و گوش

چشمِ بینا ہے تو ہر شے ہے یہاں کی دیدنی
ہے ترازوئے نگہ میں بے گماں سنجیدنی

جس جگہ رومی تجھے لے جائے بیباکانہ چل
سب سے ہو کر ایک دو پل بے خطر، بیگانہ چل"

اس نے پھر آہستگی سے ہاتھ کو کھینچا مرے
اور چل کر تیز تر اک غار پر لایا مجھے



عارفِ ہندی جو چاند کے ایک غار میں خلوت گزیں ہے اور اہلِ ہند اسے "جہاں دوست" (وشوامتر) کہتے ہیں

مثلِ کوراں ہاتھ دوشِ دوست پر رکھے ہوئے
چل پڑا تاریک گہرے غار میں ڈرتے ہوئے

ایسی ظلمت تھی کہ سینہ چاند کا ہو داغ داغ
اس کے اندر مہرِ عالم تاب محتاجِ چراغ!

ناگہاں وہم و گماں نے مجھ پر اب حملہ کیا
اور مرے ہوش و خرد کو دار پر لٹکا دیا

راہزن تھے گھات میں میرے مگر چلتا رہا
لذتِ صدق و یقیں سے قلب بیگانہ رہا

آخرش جلوے ہوئے میری نگہ میں بے حجاب
صبحِ روشن کا سماں تھا بے طلوعِ آفتاب

ایک وادی تھی کہ ہر سنگ اس کا تھا زنار دار
اپنے بالا و بلند اشجار سے تھی دیو سار

یا سرشتِ آب و گل سے متصف تھا یہ مقام
یا تخیل کی مرے یہ نقش بندی تھی تمام

تھا ہوا میں بادۂ انگور سا ذوق و سرور
خاک اس کی چوم کر بنتا تھا سایہ عینِ نور

نے کوئی اس کی زمیں پر تھا سپہرِ لاجورد
نے شفق کے رنگ سے اس کے کنارے سرخ و زرد

نور کو اس جا نہیں تھا بیم شبخونِ ظلام
واں دھواں چھایا نہیں رہتا تھا گردِ صبح و شام

اک شجر کی چھاؤں میں تھا عارفِ ہندی نژاد
آنکھیں سرمے سے تھیں اس کی بے طرح روشن سواد

سر پہ بالوں کا تھا جوڑا اور عریاں تھا بدن
اس کے گرداگرد تھا مارِ سفید اک حلقہ زن

اک بشر لیکن تھا آب و گل سے بالا و بلند
اس کا دیرِ فکر تھا دیگر جہاں کا نقش بند

بے خبر اس کا زمانہ گردشِ ایام سے
واسطہ اس کو نہیں تھا چرخِ نیلی فام سے

اس نے رومی سے کہا "لایا کسے ہمراہ تو؟
ہے عیاں اس کی نگہ سے زندگی کی آرزو"

رومی

ہر زماں یہ جستجو میں مضطر و آوارہ ہے
گرچہ ثابت ہے مگر فطرت سے یہ سیارہ ہے

خامیاں اس کو بناتی ہیں زیادہ پختہ کار
میں ہوں اس کی ناتمامی پر دل و جاں سے نثار

آسماں کو اپنے شیشے کا بنا رکھا ہے طاق
فکر اس کی ہے فرشتوں سے طلبگارِ صداق (٭)

صورتِ شاہیں جھپٹتا ہے یہ مہر و ماہ پر
تیز تر ہر دم طوافِ آسماں کی راہ پر

جو کہا اہلِ زمیں سے اس نے رندانہ کہا
حور کو بت کہہ دیا جنت کو بتخانہ کہا

موج میں اس کے دھوئیں کی میں نے شعلہ دیکھا ہے
اس کے سجدے میں نمایاں حق کا جلوہ دیکھا ہے

شوق سے ہر لمحہ یہ محوِ فغاں ہے مثلِ نال
سازگار آتی ہے اس کو نے جدائی نے وصال

(٭) صداق = تصدیق

اسکی آب و گل میں کیا طوفان برپا ہے مدام
میں نہیں واقف کہ اس کی کیا ہے منزل کیا مقام

جہاں دوست

سارا عالم رنگ ہے بے رنگی حق کی شان ہے
کیا ہے عالم؟ کیا ہے آدم؟ حق کی کیا پہچان ہے؟

رومی

آدمی شمشیر کی صورت ہے حق شمشیر زن
عالم اس شمشیر ہی کے واسطے سنگِ فسن

شرق ہے عالم سے غافل، دیدِ حق سے مستفید
غرب ہے عالم میں گم لیکن رہا حق سے بعید

حق کو ہر دم عاجزانہ دیکھنا ہے بندگی
خود کو لیکن محرمانہ دیکھنا ہے زندگی

زندگی سے اپنا حصہ لے کے جب ہو شاد کام
خودِ خدا بھی بندے کی عظمت کو کرتا ہے سلام

وہ جسے تقدیر سے اپنی نہیں ہے آگہی
سوزِ جاں سے یکسر اس کی خاک بیگانہ رہی

جہاں دوست

کیا وجود اور کیا عدم ہے؟ ان میں شرق الجھا رہا
لیکن ان اسرار سے پھر بھی نہیں پردہ اٹھا

کام ہم افلاکیوں کا کچھ نہیں ہے غیرِ دید
اس کے مستقبل سے میری جاں نہیں ہے ناامید

کل جو سوئے قشمرود (٭) اٹھی نگاہ اک مرتبہ
میں نے دیکھا اک فرشتہ تھا وہاں اترا ہوا

ذوقِ دیدار اس کی آنکھوں سے جھلکتا تھا مگر
اک ہمارے خاکداں پر ٹھہری تھی اس کی نظر

میں نے پوچھا "راز اپنے محرموں سے مت چھپا
اس گلِ خاموش میں تجھ کو نظر آتا ہے کیا؟

حسن و خوبی پر کسی زہرہ کے تو شیدا ہے کیا؟
اپنے دل کو چاہِ بابل میں گرا ڈالا ہے کیا؟"

اس نے برجستہ کہا "موسم بدلنے والا ہے
آفتابِ تازہ مشرق سے نکلنے والا ہے

(٭) قشمرود = پہاڑ کا نام

آشکارا ہوں گے اس کے لعل سنگِ راہ سے
اس کے یوسف اب نکل آئیں گے بیروں چاہ سے

رستخیز اس کے کناروں میں نظر آیا مجھے
لرزہ اس کے کوہساروں میں نظر آیا مجھے

دیکھتا ہوں اس نے چھوڑا ہے مقامِ آزری
تاکہ ہو اس طرح پیدا خوئے ترکِ بت گری

اے خوشا وہ قوم ہر دم جس کی جاں تڑپا کرے
اپنی گل سے پھر جو اپنے آپ کو پیدا کرے

عید جیسی عرش والوں کو مسرت ہوتی ہے
دہر میں بیدار جس دم کوئی ملت ہوتی ہے



چند لمحے اب گزارے اس نے خاموشی کے ساتھ
اور پھر دیکھا مجھے یک گونہ بیتابی کے ساتھ

ار تجالاً اب سوال اس نے کئی مجھ سے کئے
میں نے اپنی فہم کی رو سے جواب ان کے دیئے

"عقل کیسے مردہ ہو جاتی ہے؟" "مرگِ فکر سے"
"قلب کیسے مردہ ہو جاتا ہے؟" "مرگِ ذکر سے"

"تن جسے کہتے ہیں کیا ہے؟" "یہ ہے زادِ گردِ راہ"
"جاں جسے کہتے ہیں کیا ہے؟" "یہ ہے رمزِ لا الٰہ"

"آدمی کیا ہے؟" "یہ ہے سرّے ز اسرارِ خدا"
"کیا ہے عالم؟" "تو جو اپنے سامنے ہے دیکھتا"

"علم و فن کہتے ہیں کس کو؟" "یہ سراپا پوست ہے"
"اور حجت کیا ہے؟" "یہ لاریب روئے دوست ہے"

"عامیوں کا دین کیا ہے؟" "عامیوں کا دیں شنید"
"عارفوں کا دین کیا ہے؟" "عارفوں کا دیں ہے دید"

میں نے اس کی لذتِ جاں کو جو افزوں تر کیا
فاش اس نے نکتہ ہائے راز کو مجھ پر کیا

☆☆☆

عارف ہندی کی نو باتیں

(۱)

ذاتِ حق کی جستجو ہو تو نہیں عالم حجاب
غوطہ خوری میں نہیں حائل نقوشِ سطحِ آب

(۲)

خوب ہے تازہ جہاں ہو زندگانی بھی نئی
تاکہ تیرے ہاتھ آ جائے جوانی بھی نئی

(۳)

حق کہ عینِ زندگی ہے مرگ سے ہے ماورا
بندہ مرتا ہے تو اس کو کیا خبر ہوتا ہے کیا

گو جہاں میں طائرِ بے بازو و بے پر ہیں ہم
حق سے علمِ مرگ میں لاریب افزوں تر ہیں ہم

(۴)

وقت شیرینی ہے جس میں زہر ہے آمیختہ
عام رحمت ہے ولیکن قہر ہے آمیختہ

قہر سے ویراں نظر آئے جو تجھ کو دشت و شہر
ہے یہی رحمت کہ تو کہہ دے "گیا طوفانِ قہر"

(۵)

کافری تو موت کا ہے نام اے روشن نہاد
مردہ سے غازی کو کیونکر زیب دیتا ہے جہاد

مردِ مومن زندہ ہے اور خود سے ہے مصروفِ جنگ
یوں جھپٹتا ہے وہ خود پر جیسے آہو پر پلنگ

(٦)

کافرِ بیدار جو بت کا پجاری ہوتا ہے
بہتر اس دیندار سے ہے جو حرم میں سوتا ہے

(۷)

دیدۂ کور اس کو کہتے ہیں کہ دیکھے ناصواب
دیکھتا ہرگز کبھی شب کو نہیں ہے آفتاب

(۸)

خاک کی صحبت بنا دیتی ہے دانے کو درخت
آدمی ہے خاک کی صحبت سے لیکن تیرہ بخت

دانہ حاصل خاک سے کرتا ہے سوز و پیچ و تاب
تاکہ لے فتراک میں اپنے شعاعِ آفتاب

(۹)

جاننا چاہا جو میں نے اک گلِ صد چاک سے
رنگ و بو کس طرح وہ لیتا ہے باد و خاک سے

اس نے مجھ سے یوں کہا "اے ہوش مندِ رفتہ ہوش
جس طرح پیغام تجھ کو دیتی ہے برقِ خموش

جذبِ ایں و آں سے ملتی ہے ہمارے تن کو جاں
جذب تیرا آشکارا، جذب میرا ہے نہاں!"

جلوۂ سروش

گفتگو کا اب رشی نے بند دروازہ کیا
خود میں گم ہو کر جہاں سے منقطع رشتہ کیا

اس کے ذوق و شوق نے اس کو کیا غرقِ وجود
سامنے سے ہٹ گیا یکسر طلسماتِ شہود

جب توجہ تھی میّسر ذرّے تھے مانندِ طور
جب توجہ کو ہٹایا نور تھا واں نے ظہور

ناگہاں ظاہر ہوئی اک نازنیں سیمیں بدن
بن کے تنہا اس طلسمی شب کا کوکب ضو فگن

سنبلستاں زلفوں کے تھے تا کمر لٹکے ہوئے
روشنی سے چہرے کی کوہ و کمر دمکے ہوئے

جلوۂ مستانہ میں سرشار سرتاپا تھی وہ
مست بے جام و سبو تھی زمزمہ پیرا تھی وہ

کر رہا تھا گردش اس کے آگے فانوسِ خیال
ذوفنوں تھا جو مثالِ آسمانِ دیر سال

اس میں ہوتی تھیں ہویدا شکل ہائے رنگ رنگ
شکرہ چڑیا پر جھپٹتا اور آہو پر پلنگ

میں نے دیکھا تو کہا رومیؔ سے "اے دانائے راز
اپنے اس کو تاہ بیں ساتھی پہ کر افشائے راز"

پیرِ رومی نے کہا "یہ پیکرِ سیمیں لقا
حق تعالیٰ کے یگانہ ذہن میں پیدا ہوا

رکھتی تھی اس کی طبیعت ذوقِ اظہار و نمود
وہ اتر کر آ گیا سوئے شبستانِ وجود

اب ہماری طرح ہے آوارہ و غربت نصیب
تو بھی ہے اور میں بھی ہوں یہ بھی اس جا ہے غریب

شان جبریلی ہے اس کی، نام ہے اس کا سروش
ہوش میں دوبارہ لاتا ہے یہی کر کے بے ہوش

آتشِ خاموش زندہ اس کے سوزِ دم سے ہے
اپنے غنچہ کا تبسم اس کے ہی شبنم سے ہے

دل کے ساکت ساز پر مضرابِ شاعر اس سے ہے
پردۂ محمل میں آخر چاک ظاہر اس سے ہے

دیکھتا ہوں اس کے نغمے میں ہے اک دیگر جہاں
پل دو پل کر اکتساب اس کی نوا سے سوزِ جاں



نوائے سروش

ڈرتا ہوں تو چلاتا ہے کشتی سر لب میں
جینا ترا حجاب میں مرنا حجاب میں

دیکھا جو دھو کے سرمۂ رازی (☆) کو آنکھ سے
تقدیر امتوں کی ہے پنہاں کتاب میں

صحرا و کوہ و وادی و کشت و چمن پہ گر
خود پر گرے جو برق فنا ہو سحاب میں

مغرب میں اک بشر مجھے ایسا نہیں ملا
جس کے مقامِ شوق نہ آئیں حساب میں

بے ذوقِ گیر و دار نہیں ملتا اس کا قرب
مہکا چمن کو تو کہ ہے خوشبو گلاب میں

فانی سہی خودی مگر اے کم نظر خطیب
تو دیکھتا نہیں کہ ہے طوفاں حباب میں

مطرب کے زخمہ سے نہیں یہ صوتِ دل نشیں
مہجورِ خلد حور ہے نالاں رباب میں



(☆) رازی = مشہور مفسر قرآن

وادیٔ یرغمید کی طرف جانا

جسے ملائکہ وادی طواسین کہتے ہیں

جادۂ الفت میں رومی رہنمائے راست گام
تشنہ کاموں کے لئے ہے سلسبیل ان کا کلام

بولے "ایسا شعر جس کے اندر آتش ہو نہاں
اصل اس کی گرمیٔ اللہ ہو ہے بے گماں

وہ نوا گلشن بناتی ہے خس و خاشاک کو
وہ نوا زیر و زبر کر دیتی ہے افلاک کو

وہ نوا حق و صداقت پر گواہی دیتی ہے
وہ فقیرِ بے نوا کو بادشاہی دیتی ہے

تن میں خوں اس کے اثر سے ہوتا ہے سیّار تر
قلب کو کرتی ہے وہ جبریل سے بیدار تر

لیکن ایسے ہیں بہت شاعر کہ جن کا سحرِ فن
ہے نظر کا اہرمن اور قلب کا ہے راہزن

ہند کا شاعر! خدا اس پر یہی احساں کرے
لذتِ گفتار سے اس کو تہی داماں کرے

اپنے فن سے عشق کو خنیا گری (٭) سکھلائی ہے
اس نے ابراہیموں کو بھی آزری سکھلائی ہے

حرف اس کے خوبصورت ہیں مگر بے سوز و درد
اہلِ درد اس کو جہاں میں مردہ کہتے ہیں نہ مرد

اس نوا سے جو نہیں پہچانتی اپنا مقام
خوش نما تر ہے کرے جو نیند میں کوئی کلام

فطرتِ شاعر سراپا جستجو ہے اور بس
خالق و پروردگارِ آرزو ہے اور بس

قوم کے سینے میں شاعر ہوتا ہے مانندِ دل
قوم بے شاعر زمانے میں ہے اک انبارِ گل

سوز و مستی اصل میں نقاشِ عالم ہوتی ہے
شاعری بے سوز و مستی صرف ماتم ہوتی ہے

گر یہ سچ ہے شعر کا مقصود ہے آدم گری
شاعری ہے جانشین و وارثِ پیغمبری"



میں نے پوچھا "کچھ بتا آدم گری کے باب میں
کچھ رموز و رتبۂ پیغمبری کے باب میں"

(٭) خنیا گری = راگ رنگ

یوں کہا "اقوامِ عالم اس کی ہی آیات ہیں
یہ ہمارے سب زمانے اس کی مخلوقات ہیں

اس کی فیضانِ نفس سے بولتے ہیں سنگ و خشت
ہم بھی ہیں مثلِ حاصل اور وہ مانندِ کشت

استخوان و ریشہ کو پاکیزہ کر دیتا ہے وہ
فکر کو روح الا میں کابال و پر دیتا ہے وہ

اس کے دم سے ہاو ہو ہے اندرونِ کائنات
اس کے لب پر سورہ ہائے نجم و نور و نازعات

اس کا خورشیدِ درخشاں ناشناسائے زوال
اس کے منکر کو کبھی حاصل نہیں ہوتا کمال

اس کے آزادوں کی صحبت شفقت و مہرِ خدا
اس کے کراروں کی ضربت خفگی و قہرِ خدا

گر ہے عقلِ کل بھی تو اس سے نہ کر زنہار رم
کیونکہ جاں کو اور تن کو دیکھتا ہے وہ بہم

تیز تر رکھ کر قدم طے کر لے راہِ پرغمید
دیکھنے کی چیز ہے تیرے لئے جو ہے شنید

سامنے سنگِ قمر (☆) سے کندہ اک دیوار پر
چار طاسینِ نبوت صاف آتے ہیں نظر"



(☆) سنگ سفید کی ایک قسم

راستے سے آشنا بے راہبر ہوتا ہے شوق
جبرئیلی بال و پر سے رہ سپر ہوتا ہے شوق

راہ دشوار و دراز اس کے لے دوچار گام
باعثِ درماندگی ہے اس مسافر کو مقام

میں چلا تیزی سے بیتابانہ سوئے یرغمید
اب نظر کی دسترس میں تھا فرازِ یرغمید

مجھ سے کیونکر ہو بیاں اس کا شکوہ و احتشام
ہفت کوکب کرتے رہتے ہیں طواف اس کا مدام

اس کی آب و تاب سے اہلِ زمیں روشن ضمیر
سرمۂ خاک اس کا افرشتوں کو کرتا ہے بصیر

آنکھ دی خالق نے مجھ کو دل دیا گفتار دی
آرزو دی، جستجوئے عالمِ اسرار دی

چہرۂ اسرارِ کل سے پردہ سرکاتا ہوں میں
اب طواسینِ رُسُل کی بات بتلاتا ہوں میں



طاسینِ گوتم

ایک رقاصۂ جلوہ فروش کا توبہ کرنا

گوتم

مئے دیرینہ و معشوقِ جواں چیز ہے کیا!
پیشِ صاحب نظراں حورِ جناں چیز ہے کیا!

جن کو محکم تو سمجھتا ہے گزر جاتے ہیں
کوہ و صحرا و برد بحر و کراں چیز ہے کیا!

دانشِ مغربیاں، فلسفۂ مشرقیاں
ہمہ بتخانہ ہے اور طوفِ بتاں چیز ہے کیا!

خود کو پہچان اور اس دشت سے ترساں نہ گزر
کہ تو باقی ہے وجودِ دو جہاں چیز ہے کیا!

راہ میں نوکِ مژہ سے جو تراشا میں نے
منزل و قافلہ و ریگِ رواں چیز ہے کیا!



غیب ہے وہم و گماں، وہم و گماں چیز ہے کیا!
ہاں، جہاں میں رہیں آزادِ جہاں چیز ہے اور

ہیچ وہ خلد ہے جو بخش دے یزداں تجھ کو
گر ملے کام کے بدلے میں جناں چیز ہے اور

ڈھونڈ مت راحتِ جاں، راحتِ جاں چیز ہے کیا!
غمِ یاراں میں ہوں گر اشک رواں چیز ہے اور

چشمِ مخمور و نگاہِ غلط انداز و سرود
خوب ہیں، خوب تر ان سے بھی یہاں چیز ہے اور

حسنِ رخسار ابھی ہے ابھی نابود ہوا
حسنِ کردار و خیالاتِ خوشاں چیز ہے اور



رقاصہ

فرصتِ کشمکش نہ ہو اس دلِ بے قرار کو
اک دو شکن دے اور بھی گیسوئے تابدار کو

برقِ تجلی سے جو تو نے مرے سینے کو دیا
پایا ہے مہر و ماہ نے تلخیٔ انتظار کو

ذوقِ حضور نے رکھی دہر میں بت گری کی رسم
عشق فریب دیتا ہے جانِ امیدوار کو

پھر میں سکونِ قلب سے نغمۂ تازہ گا سکوں
دے وہی مرغزار پھر طائرِ مرغزار کو

طبعِ بلند دی مجھے، بند بھی پاؤں سے کھلیں
خش ہوں بوریا پہ میں خلعتِ شہر یار کو

سنگ جو تیشے سے کٹا کیا ہے مقامِ گفتگو؟
عشق تو دوش پر اٹھا لیتا ہے کوہسار کو



طاسینِ زرتشت

اہرمن کا زرتشت کی آزمائش کرنا

اہرمن

تجھ سے نالاں میری مخلوقات ہیں مانندِ نے
تجھ سے میرے فرودیں (☆) کا بھی سماں ہے مثلِ دے (☆)

عرصۂ عالم میں مجھ کو خوار و رسوا کر دیا
میرے خوں سے تو نے رنگیں نقش اپنا کر لیا

زندہ رکھتا ہے خدا کو جلوۂ سینا ترا
موت کا پیغام ہے مجھ کو یدِ بیضا ترا

☆☆☆

(☆) فرودیں = بہار (☆) دے = خزاں

تکیہ یزداں کے کسی وعدے پہ کرنا ابلہی
اس کے بتلائے ہوئے رستے پہ چلنا گمرہی

زہر قاتل بادۂ گلفام میں دیتا ہے وہ
اژدہ و کرم و صلیب (٭) انعام میں دیتا ہے وہ

جز دعائیں نوحؑ نے تدبیر ہی پائی نہ تھی
حرف میں بے چارے نے تاثیر ہی پائی نہ تھی

شہر سے کر کے گریز اک غار میں ہو جا مکیں
نوریوں کا ہو اسی تدبیر سے صحبت گزیں

اپنی تابش کے اثر سے کیمیا کر خاک کو
اپنی پرسوز التجاؤں سے جلا افلاک کو

کوہسار و دشت میں مثلِ کلیمؑ آوارہ ہو
اس طرح سے نیم سوزِ آتشِ نظارہ ہو

لیکن اس پیغمبری کو چھوڑ دینا چاہیے
شیوۂ ملا گری کو چھوڑ دینا چاہیے

ناکسوں کے درمیاں آیا جو کس، ناکس ہوا
اپنی فطرت میں اگر شعلہ ہے پھر بھی خس ہوا

(٭) اژدہ و کرم و صلیب = تلمیحات بہ قصص پیغمبراں

ہے ولایت سے نبوّت مرتبے میں پست تر
سچ تو یہ ہے عشق کو پیغمبری ہے دردِ سر

بے تامل اٹھ کے جا کاشانۂ وحدت میں بیٹھ
ترک کر دے بستیوں کو گوشۂ خلوت مین بیٹھ



زرتشت

نور دریا کی طرح ظلمت ہے ساحل کی طرح
سیلِ دریا میں نہیں پیدا ہوا میری طرح

میری موجیں مضطرب ہیں اور سکوں نا آشنا
سیل کو ہے غارتِ ساحل سے بہتر کام کیا؟

نقش بے رنگت کسی نے جس کو دیکھا ہی نہیں
جزبہ خونِ اہرمن تشکیل پاتا ہی نہیں

اپنی مخفی قوتیں منظر پہ لانا ہے حیات
زورِ بازو کو جہاں میں آزمانا ہے حیات

☆☆☆



پختہ تر خود کو بلاؤں میں بناتی ہے خودی
پردہ حق کے سامنے سے پھر ہٹاتی ہے خودی

مردِ حق آگاہ چلتا ہے رضائے حق کی راہ
وہ تڑپتا ہے لہو میں پر لبوں پر لا الٰہ

عشق کو خوں میں تڑپنا لذتِ دارین ہے
ارّہ و دارو رسن اس کے لئے عیدین ہے

راہِ حق میں ہے نکوتر کیفیت جیسی ملے
مہربانی ہے اگر نا مہربانی بھی ملے



میری آنکھوں کو ہے حق کا جلوہ تنہا ناروا
حسن کا بے انجمن نظارہ کرنا ہے خطا

کہتے ہیں خلوت جسے ہے درد و سوز و آرزو
انجمن دیدار ہے لیکن ہے خلوت جستجو

عشق خلوت میں رہے جب تک کلیم اللہی ہے
اور جلوت میں وہ آجاتا ہے جس دم شاہی ہے

اصل میں ہیں خلوت و جلوت کمالِ سوز و ساز
دونوں ہیں لاریب حالات و مقاماتِ نیاز

وہ ہے یکسر چھوڑنا دیر و کلیسا و کنشت
اور یہ ہے تنہا نہ جانا سوئے گلزارِ بہشت

گو ہے خلوت اور جلوت دونوں کے اندر خدا
ابتدا لیکن ہے خلوت اور جلوت انتہا

تو نے یہ کیا کہہ دیا "ہے دردِ سر پیغمبری"
عشق کامل ہوتا ہے تو کرتا ہے آدم گری

جادۂ حق پر سفر با کارواں ہے خوب تر
رہنا اس عالم میں جیسے تن میں جاں ہے، خوب تر



طاسینِ مسیح

رویائے حکیم طالسطائی (☆)

ایک وادی درمیانِ کوہسارِ ہفت مرگ
اس میں طائر ہے کوئی نے شاخ ہے کوئی نہ برگ

روشنی ہے چاند کی اس کے دھوئیں سے مثلِ قیر
آفتاب اس کی فضا میں تشنہ کام و تشنہ میر

ایک اس وادی میں تھی سیماب کی ندی رواں
پیچ و خم کھاتی ہوئی مانندِ جوئے کہکشاں

راہ کی پستی بلندی سامنے اس کے تھی ہیچ
تند سیر و تند جوش و موج موج و پیچ پیچ

تا کمر اک مرد (☆) تھا سیماب کی ندی میں فرق
نالہ و زاری سے اس کے کچھ نہیں پڑتا تھا فرق

ابر و باد و آب ہرگز اس کی قسمت میں نہ تھا
آب جز سیماب اس پیاسے کی قدرت میں نہ تھا

(☆) طالسطائی = روس کا حکیم و مصلح

(☆) مرد کنایہ ہے یہودی قوم سے

اک کنارے پر نظر آئی زنِ نازک بدن (٭)
اس کی آنکھیں کاروانوں کے لئے تھیں راہ زن

اس سے شیوہ کافری کا سیکھیں پیرانِ کنشت
زشت خوب اس کی نگہ سے ہوتا تھا اور خوب زشت

میں نے پوچھا "کون ہے تو اور تیرا نام کیا؟
اور وہ ہے کون جو محوِ فغاں ہے' کچھ بتا؟"

بولی "میری آنکھیں رکھتی ہیں فسونِ سامری
نام افرنگین ہے اور کام میرا ساحری"

ہو گئی یخ بستہ اب وہ جوئے سیمیں ناگہاں
اس سبب سے اس جواں کے تن کی ٹوٹیں ہڈیاں

چیخ اٹھا ہائے افسوس اس مری تقدیر پر
حیف صد حیف اس مری فریادِ بے تاثیر پر

اس کا نالہ سن کے افرنگیں نے برجستہ کہا
"گر نظر رکھتا ہے دیکھ اپنے عمل کو بھی ذرا

پورِ مریم جس کو کہتے ہیں چراغِ کائنات
بہرہ ور ہیں نور سے جس کے جہات و بے جہات

(٭) زن کنایہ ہے اقوام یورپ سے

وہ فلاطوس و صلیب و چہرۂ حسرت زدہ
زیرِ گردوں کیا کیا تھا تو نے کیا اس نے کیا

اے کہ تیری جان پر ہے لذتِ ایماں حرام
اے کہ تیرا دل پرستارِ بتانِ سیم خام

قیمتِ روح القدس سے تو رہا نا آشنا
نقدِ جاں کو کھو کے تیرے ہاتھ تن آیا تو کیا!"



(؎) افلاطوس = رومی حاکم کا نام

اس جواں کو نازنیں کا طعنہ نازیبا لگا
دل میں نشتر کی طرح سے اس کو ہر فقرہ لگا

یوں کہا اس نے کہ "اے گندم نمائے جو فروش
تجھ سے شیخ و برہمن سب ہو گئے ملت فروش

عقل و دیں کو کافری نے تیری رسوا کر دیا
عشق کو سوداگری نے تیری رسوا کر دیا

تیرا لطف و مہر ہے آزار و آزارِ نہاں
تیرا کین و دشمنی ہے مرگ و مرگِ ناگہاں

آب و گل کی صحبتوں کی کتنی شیدائی ہے تو
حق سے اس کے بندے کو کر کے جدا لائی ہے تو

دہر میں جس کی بدولت عقدۂ اشیا کھلا
تجھ کو اس حکمت نے کیا جز فکر چنگیزی دیا

بے گماں ہر صاحبِ جو ہر کو ہے اس کا پتا
جرم سے میرے ہے کتنا جرم سنگین تر ترا

اس کے دم سے زندگی دوبارہ پاتا تھا بدن
تیرے دم سے جاں کا قبرستان ہے گویا بدن

ہم نے جیسا بھی کیا برتاؤ اس کے تن کے ساتھ
اس کی ملت نے روا رکھا ہے اس کے من کے ساتھ

تیری موت اہلِ جہاں کو زیست کا پیغام ہے
ٹھہر! اب تو دیکھ لے گی تیرا کیا انجام ہے"



طاسینِ محمد ﷺ

حرمِ کعبہ میں ابو جہل کی روح کا نوحہ کرنا

ہے محمد ﷺ سے ہمارا سینہ یکسر داغ داغ
اس کے دم سے ہو گیا گل اپنے کعبے کا چراغ

قیصر و کسریٰ کی بربادی کی وہ کرتا ہے بات
نوجوانوں کا ہمارے ہاتھ سے چھینتا ہے ہاتھ

آپ وہ ساحر ہے اور اس کا سخن ہے ساحری
یہ دو حرفِ لا الٰہ ہے در حقیقت کافری

دینِ آبا کی ہمارے اس نے الٹی ہے بساط
کیا کہوں میں کیا کیا اس نے خداوندوں کے ساتھ

پارہ پارہ اس کی ضربوں سے ہوئے لات و منات
انتقام اس سے بلا تاخیر لے اے کائنات

دل کو حاضر سے نہیں غائب سے وابستہ کیا
بے نشاں اپنے فسوں سے نقش حاضر کا کیا

آنکھ کو غائب کے سے ہر دم باندھ رکھنا ہے خطا
ہم جسے اپنی نظر ہی سے نہ دیکھیں وہ ہے کیا؟

سامنے غائب کے سجدہ ریز ہونا کوری ہے
کور ہے اس کا نیا دیں اور کوری دوری ہے

کرنا اپنے سر کو خم پیش خدائے بے حیات
ذوق بندے کو نہیں دے سکتی ہے ایسی صلوٰت



اس کا مذہب اس کا دیں ہے قاطعِ ملک و نسب
منکرِ شرفِ قریش و منکرِ فضلِ عرب

ایک ہے اس کی نظر میں پست و بالا کا مقام
بیٹھتے ہیں ایک دسترخوان پر وہ اور غلام

قدرِ احرارِ عرب کو اس نے پہچانا نہیں
ہے کلفتانِ (٭) حبش کا ہم نوا و ہم نشیں

احمر و اسود کا فرق آیا نہیں ادراک میں
آبروئے دو دماں اس نے ملائی خاک میں

یہ مساوات و مواخات اعجمی و اعجمی
خوب واقف ہوں کہ سلماں مزدکی ہے مزدکی

ابنِ عبداللہ نے دھوکا اس کے ہاتھوں کھایا ہے
اک قیامت کا سماں ملکِ عرب میں لایا ہے

عترتِ ہاشم اب اپنے آپ سے مہجور ہے
اپنی آنکھوں کو دو رکعت سے کیا بے نور ہے

(٭) کلفت = موٹا، بھدا، بدشکل

اعجمی بندے کی اپنی اصلِ عدنانی (☆) کہاں؟
ایک گونگے شخص میں گفتارِ سحبانی (☆) کہاں؟

چشمِ خاصانِ عرب کو راہ دکھلاتا نہیں
اے زہیر (☆) اپنی لحد سے کیوں نکل آتا نہیں

اے ہمارے واسطے اس دشت میں تو ہے دلیل
توڑ بھی دے آ کر افسونِ نوائے جبرئیل



(☆) عدنان = قریش کا مورث اعلیٰ
(☆) سحبان = عرب کا ایک معروف فصیح و خوش گو ادیب
(☆) عرب کا مشہور شاعر

ہاں، بیاں کر ماجرا اے سنگِ اسود بار بار
وانما کر زِ شئ کیشِ محمد ﷺ بار بار

اے ہبل سنتا ہے تو بندوں کی اپنے التجا
اپنے گھر سے باغیانِ دینِ آبا کو اٹھا

ان کا گلہ خوں کے پیاسے بھیڑیوں کی نذر کر
تلخ کر دے ان کے خرما کو شجر کی شاخ پر

اب ہوائے بادیہ کو تندر و صر صر بنا
تاکہ وہ گر جائیں جیسے پیڑ کا سوکھا تنا

اے منات اے لات ہرگز اپنی منزل سے نہ جا
جانا ٹھہرا ہے تو اپنے بندوں کے دل سے نہ جا

ہم نے اپنی آنکھوں کے اندر بسایا ہے تمہیں
دو ذرا مہلت ہمیں گر پھر بھی جانا ہے تمہیں

فلکِ عطارد

ارواحِ جمال الدین افغانی و
سعید حلیم پاشا کی زیارت

کام اپنا مشت خاک آگے بڑھایا کرتی ہے
وہ تجلیات اپنی آشکارا کرتی ہے

کام اپنا مشتِ خاک آگے بڑھایا کرتی ہے
وہ تجلیات اپنی آشکارا کرتی ہے

یا ہوا میں خود اسیرِ صید گاہِ ہست و بود
آگیا ہے یا مرے دامِ اسیری میں وجود؟

چرخِ نیلی فام کے پردے میں مجھ سے چاک ہیں؟
میں ہوں ان افلاک سے یا مجھ سے یہ افلاک ہیں؟

یا فلک کے دام میں محصور ہے میرا ضمیر
یا بایں وسعت فلک خود اس کے اندر ہے اسیر؟

اندروں ہے یا بروں کیسا ہے یہ منظر تمام؟
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے کیا ہے اور کیونکر تمام؟

اب میں جس جانب اڑا وہ آسماں اک اور تھا
سامنے اب میری آنکھوں کے جہاں اک اور تھا

ایک عالم جس میں تھے کہسار و دشت و بحر و بر
ایک عالم جو تھا میری خاک سے دیرینہ تر

ایک عالم ابر پارے سے جو بالیدہ ہوا
دستبردِ آدمی اس نے کبھی دیکھا نہ تھا

نقش اس کی لوحِ ہستی پر کوئی ابھرا نہ تھا
خردہ گیری اس کی فطرت پر کوئی کرتا نہ تھا



میں نے رومی سے کہا "دلکش ہے یہ صحرا بہت
جاں فزا کہسار میں ہے شورشِ دریا بہت

زندگی کا میں نہیں پاتا یہاں کوئی نشاں
کس جگہ سے آ رہی ہے پھر یہ آوازِ اذاں؟"

سن کے رومی نے کہا "یہ ہے مقامِ اولیا
اور ہماری خاک سے یہ خاکداں ہے آشنا

بو البشر نے خلد سے باندھا تھا جب رختِ سفر
ایک دو دن اس جہاں میں بھی گزارے ٹھیر کر

اس کی فریاد و فغاں کو جانتی ہے یہ فضا
نالہ ہائے خوں چکاں کو جانتی ہے یہ فضا

بہرہ مند ان زائروں سے ہے یہ خاکِ ارجمند
دہر میں جن کو میسر ہیں مقاماتِ بلند

عارفانِ باصفا جیسے فضیلؒ و بوسعیدؒ
کاملانِ محترم مثلِ جنیدؒ و بایزیدؒ

اٹھ کہ دو رکعت نماز آئے ہمارے ہاتھ بھی
اک دو پل سوز و گداز آئے ہمارے ہاتھ بھی



جا کے جب دیکھا وہاں دو مرد تھے اندر قیام
مقتدی تھا ان میں تاتار اور افغانی امام

مرشدِ رومی جنہیں ہر لحظہ حاصل ہے حضور
ان کے رخ سے تھی عیاں تابانی ذوق و سرور

بولے "مشرق نے بشر ایسے کہاں پیدا کیے
عقدہ ہائے مشکل ان کی کاوشوں نے وا کیے

عالمِ دین، سید السادات مولانا جمال
زندہ اس کی قوتِ گفتار سے سنگ و سفال

ترک سالار و مدبر وہ حلیم درد مند
اس کے رتبہ کی طرح فکر اس کی ارفع و بلند

پڑھ لیں ان کے ساتھ دو رکعت عبادت ہے یہی
ورنہ جنت جس کی اجرت ہے وہ محنت ہے یہی



قرائتِ جاں بخش اور وہ پیر مردِ سخت کوش
سورۂ والنجم اور وہ دشت و کہسارِ خموش

ایسی قرائت تھی کہ جس سے وجد میں آئیں خلیلؑ
جس کو سن کر جھوم اٹھے روحِ پاکِ جبرئیلؑ

اس سے دل سینے کے اندر بے قرار و ناصبور
شورِ الا اللہ کریں پیہم بلند اہلِ قبور

اضطرابِ شعلہ سے معمور کر دے دود کو
اور متاعِ سوز و مستی بخش دے داؤد کو

اس کی قرائت آشکارا کر رہی تھی ہر غیاب
معنی و مفہومِ قرآنِ مبیں کو بے حجاب



جس گھڑی اپنی جگہ سے میں اٹھا بعد از نماز
ہاتھ کو اس کے دیا بوسہ بصد عجز و نیاز

رومی نے بتلایا "یہ ہے ذرۂ گردوں نورد
اس کے سینے میں نہاں ہے اک جہانِ سوز و درد

آپ اپنی رہبری میں راستہ کرتا ہے طے
دل کسی سے بھی لگایا ہی نہیں، آزاد ہے

یہ ہے اس کی تند رفتاری ہے اور دشتِ وجود
میں تو شوخی سے کہا کرتا ہوں اس کو زندہ رود"

افغانی

زندہ رود! احوال اپنی خاکداں کا کچھ سنا
قصہ اس اپنے زمیں و آسماں کا کچھ سنا

تو ہے خاکی پر مثالِ قدسیاں روشن بصر
کچھ مسلمانوں کی حالت کی ہمیں بھی دے خبر

زندہ رود

دل میں اب اس قوم کے جو تھی کبھی گیتی شکن
دیکھتا ہوں میں کہ ہے آویزشِ دین و وطن

روح کو اس کے بدن سے لے گیا ضعفِ یقیں
قوتِ دیں سے اسے کوئی امید اصلا نہیں

ترک و ایران و عرب مستِ مئے جامِ فرنگ
ہو گئے ہیں سب اسیر حلقۂ دامِ فرنگ

کر دیا سلطانئ مغرب نے مشرق کو خراب
اشتراکیت نے چھینی قوم و دیں سے آب و تاب



افغانی

دین و وطن

ہیں اکابر ارضِ مغرب کے سراپا مکر و فن
اہلِ دیں کو بھی انہوں نے دی ہے تعلیمِ وطن

ان کو مرکز کی طلب ہے تیرے اندر ہے نفاق
ترک کر یہ امتیازِ شام و ایران و عراق

تو اگر پہچانتا ہے خوب کیا ہے زشت کیا
اینٹ' پتھر اور مٹی سے نہ ہرگز دل لگا

اوپر اٹھنا خاک سے' اسلام کا ہے دیں یہی
تاکہ جانِ پاک کو حاصل ہو خود سے آگہی

بے کراں ہو جاتا ہے جو شخص اللہ ہو کہے
اِس نظامِ چار سو کی حد میں وہ کیونکر رہے

ہے پرِ کاہ خاک سے پر خاک سے اوپر اٹھے
جانِ پاک' افسوس ہے' گر خاک کے اندر مرے

آدمی کی گرچہ پیدائش بھی آب و گل سے ہے
پھول کی صورت نم و تابش بھی آب و گل سے ہے

حیف اگر رہتا ہے غلطاں آب و گل ہی میں مدام
حیف اگر اونچا نہیں اڑتا ہے وہ تج کر مقام

جسم کہتا ہے کہ خاکِ رہگزر میں کھو کے دیکھ
کہتی ہے جاں وسعتِ عالم میں پرّاں ہو کے دیکھ

جاں سماتی ہی نہیں اطراف میں اے ہوش مند
لا جرم ہے مردِ حُر بیگانۂ ہر قید و بند

خاکِ تیرہ سے تو ہو جاتا ہے حُر محوِ خروش
کیونکہ بازوں کو نہیں آتا ہے کرنا کارِ موش



ایک مشتِ خاک جس کا نام رکھا ہے وطن
تو جسے کہتا ہے مصر و شام و ایران و یمن

رکھتے ہیں اہل وطن نسبت ضرور اس خاک سے
ملتیں لاریب کرتی ہیں ظہور اس خاک سے

دیکھ اس نسبت میں مضمر تو جو رکھتا ہے نظر
ایک نکتہ راز کا ہے بال سے باریک تر

گرچہ مشرق سے نکلتا ہے فلک پر آفتاب
ہیں تجلیات اس کی کتنی شوخ و بے حجاب

اس کی تاب و تب کا باعث اس کا ہے سوزِ دروں
تا کہ قیدِ مشرق و مغرب سے آ جائے بروں

اپنے مشرق سے برآمد ہوتا ہے وہ جلوہ مست
اور کر لیتا ہے پہنائے جہاں کو زیرِ دست

اس کی فطرت مشرق و مغرب سے ہے یکسر بری
گرچہ عالم میں ہے وہ ازروئے نسبت خاوری



اشتراک و ملوکیت

صاحبِ "سرمایہ" جس کے مورثِ اعلیٰ خلیلؑ
یعنی وہ کہئے جسے پیغمبرِ بے جبرئیلؑ

سوچ باطل ہے مگر حق کا بھی رکھتا ہے سراغ
مومن اس کا دل ہے لیکن کافر اس کا ہے دماغ

غریبوں نے کھو دیا ہے ہاتھ سے افلاک کو
ڈھونڈتے ہیں وہ شکم میں اپنی جانِ پاک کو

رنگ و بو حاصل نہیں کرتی ہے تن سے جانِ پاک
جزبہ تن مطلب نہیں رکھتا کسی سے اشتراک

وہ جسے کہتا ہوں میں پیغمبرِ حق ناشناس
ہے مساواتِ شکم پر اس کے مذہب کی اساس

جب اخوت دل میں ہے اس کی بناء بھی دل میں ہے
فکر کی خامی ہے یہ کہنا کہ آب و گل میں ہے



(٭) صاحب سرمایہ = کارل مارکس مصنف کتاب "سرمایہ" جس میں اصول اشتراک بیان کئے ہیں۔

یہ ملوکیت حقیقت میں ہے تن کی فربہی
سینہ اس کا تیرہ و تاریک ہے دل سے تہی

جس طرح زنبور جو آ بیٹھتی ہے پھول پر
اس کے رس کو چوستی ہے پتیوں کو چھوڑ کر

سامنے ہے شاخ و برگ و رنگ و بوئے گل وہی
حسن پر اس کے فغاں و نالۂ بلبل وہی

اس طلسم و رنگ و بو سے حُسنِ صورت سے گزر
اس کے معنی کو ذرا دیکھ اس کا ظاہر ترک کر

مرگِ باطن دیکھنا گو ہے بہت دشوار کام
اصل میں لیکن جو گِل ہے دے نہ اس کو گُل کا نام



دونوں ہی میں رہتی ہے جاں ناصبور و ناشکیب
دونوں ی بے شک ہیں یزداں ناشناس، آدم فریب

زندگی اک کی خروج اور دوسرے کی ہے خراج
آدم ان دو پتھروں کے درمیاں مثلِ زجاج

علم و دین و فن ہیں اس کی تاخت سے نالہ کناں
چھین لیتا ہے وہ روٹی ہاتھ سے اور تن سے جاں

میں نے دیکھا آب و گل میں دونوں کو ڈوبے ہوئے
تن ہیں روشن دل اندھیرے میں مگر کھوئے ہوئے

غرقِ سوز و ساز ہونے سے عبارت ہے حیات
گِل میں تخمِ دل کو بونے سے عبارت ہے حیات



سعید حلیم پاشا

مشرق و مغرب

زیرکی ہے اہلِ مغرب کے لئے سازِ حیات
اہلِ مشرق کے لئے ہے عشق رازِ کائنات

عشق سے ہوتی ہے آخر زیرکی یزداں شناس
زیرکی سے عشق کی ہو جاتی ہے محکم اساس

زیرکی سے عشق کی جس دم رفاقت ہوتی ہے
وانما اک عالمِ دیگر کی صورت ہوتی ہے

اب تو تشکیلِ جہانِ نو کی کوشش تیز کر
زیرکی کے ساتھ اپنے عشق کو آمیز کر

شعلۂ افرنگیاں مجھ کو ہے، نم خوردہ ہے
آنکھ تو صاحب نظر ہے قلب ان کا مردہ ہے

اپنی ہی شمشیر کی ضربات سے گھائل ہیں وہ
اپنے ہی فتراک میں نخچیر ہیں، بسمل ہیں وہ

سوز و مستی کا نشاں مت ڈھونڈ ان کی تاک میں
عصرِ دیگر کی تلاش ان کے نہ کر افلاک میں

زندگی کو بخش دے گی سوز و ساز آتش تری
اک نئے عالم کی ڈالے گی بناء کاوش تری



مصطفٰی ﷺ نے دہر میں چرچا تجدد کا کیا
ہر نشان و نقشِ کہنہ کو مٹانے کو کہا

یوں نیا کعبہ کا ہو سکتا نہیں رختِ حیات
لائیں مغرب سے اگر اس کے لئے لات و منات

تُرک کا عاری کسی آہنگِ نو سے چنگ ہے
جس کو کہتا ہے نیا وہ کہنۂ افرنگ ہے

اس کے اپنے سینے میں کوئی دمِ دیگر نہ تھا
اس کے اپنے دل میں کوئی عالمِ دیگر نہ تھا

عالمِ موجود کے سانچے میں ڈھل کر رہ گیا
اس کی آتش سے وہ موم آسا پگھل کر رہ گیا

نت نئے جلوؤں کا مظہر ہے نہادِ کائنات
پیروی سے ہو نہیں سکتی ہے تقویمِ حیات

قلبِ زندہ کرتا ہے تخلیق اعصار و دہور
غیر کی تقلید سے ہو جاتی ہے جاں بے حضور

تو اگر رکھتا ہے مانندِ مسلمانان جگر
اک نگاہ اپنے ضمیر اور اپنے قرآں پر بھی کر

دیکھ ہر آیت میں اس کے کتنے مضمر ہیں جہاں
اس کی اک اک آن میں کتنے زمانے ہیں نہاں

اک جہاں عصرِ رواں کے واسطے اس کا ہے بس
یاد رکھ اس بات کو گر دل ہے تیرا معنی رس

بندۂ مومن ہے اک آیت ز آیاتِ خدا
ہر جہاں سجتا ہے اس کے جسم پر مثلِ قبا

اس کے تن پر جب کبھی ہو جاتا ہے کہنہ جہاں
اس کو کرتا ہے عطا قرآن اک تازہ جہاں

زندہ رود

ناخدا ہم خاکیوں کی ناؤ کا کوئی نہیں
عالمِ قرآں کہاں ہے، جانتا کوئی نہیں

افغانی

وہ جہاں تو ہے ترے سینے کے اندر گم ہنوز
اس کو افشا کے لئے ہے انتظارِ قُم ہنوز

اک جہاں جس میں نہیں ہے امتیازِ خون و رنگ
شامِ رخشندہ ہے جس کی غیرتِ صبحِ فرنگ

جس میں سلطان بھی نہیں ہے کوئی بندہ بھی نہیں
قطبِ مومن کی طرح جس کا کنارا بھی نہیں

اک جہانِ خوب و رعنا جس کا تخمِ تازہ تر
جان میں فاروقؓ کے آیا بفیضِ یک نظر

لا یزال و محکم و دائم ہیں اس کی واردات
نو بنو۔ تازہ بتازہ برگ و بارِ محکمات (☆)

اس کے باطن میں تغیر کا نہیں ملتا نشاں
اس کا ظاہر ہے رہینِ انقلابِ ہر زماں

قوم کے اندر نہاں جو ہے جہانِ بے جہات
باخبر کرتا ہوں تجھ کو کیا ہے اس کے محکمات



(☆) محکمات = اصول

محکماتِ عالمِ قرآنی

۱۔ خلافتِ آدم

دونوں عالم میں ہویدا ہر جگہ آثارِ عشق
ابنِ آدم بے گماں ہے سرّے از اسرارِ عشق

سرِّ عشق اصلا نہیں ہے عالمِ ارحام سے
وہ نہ سام و حام سے ہے اور نہ روم و شام سے

ایک کوکب جو کہ ہے بے شرق و غرب و بے غروب
جادۂ گردش میں جس کے نے شمال و نے جنوب

حرفِ اِنّی جاعِل" (☆) انسان کی تقدیر ہے
اور زمین و آسماں اس حرف کی تفسیر ہے

مرگ و قبر و حشر و نشر احوال ہیں انسان کے
اُس جہاں کے نور و نار اعمال ہیں انسان کے

منبر و طاعت وہی بانگ و حرم بھی ہے وہی
روشنائی بھی وہی لوح و قلم بھی ہے وہی

(☆) اِنّی جاعلٌ فی الأرض خلیفۃ ، (میں زمین پر انسان کو اپنا نائب بناتا ہوں) آیہ شریفہ

اس کا غیب آہستہ آہستہ بدل کر ہے حضور
اس کی کوئی حد نہ اس کے ملک کی کوئی ثغور (☆)

اس کی ہستی ہے بنائے اعتبارِ ممکنات
اعتدال اس کا زمانے میں عیارِ ممکنات

کیا کہوں کیا وسعتیں اس بحرِ بے ساحل میں ہیں
غرق جانے کتنے عصر و دہر اس کے دل میں ہیں

سن کہ آدم میں سما جاتا ہے جو عالم ہے وہ
اور عالم میں سماتا جو نہیں آدم ہے وہ

آشکارا اس کی جلوت سے ہوئے ہیں مہر و ماہ
اس کی خلوت میں نہیں پا سکتے ہیں جبریلؑ راہ

آدمی کا آسمانوں سے بھی برتر ہے مقام
اصلِ تہذیب و تمدن آدمی کا احترام



کیا تجھے، اے زندہ دل، ہے علم کیا ہے زندگی؟
عشقِ یک بیں کا ہے یک گونہ تماشائے دوئی

مرد و زن اک دوسرے سے رکھتے ہیں وابستگی
کائناتِ شوق کی کرتے ہیں وہ صورت گری

اصل میں زن ہے نگہ دارندۂ نارِ حیات
اپنی فطرت ہی سے ہے وہ لوحِ اسرارِ حیات

جان میں اپنی ہماری آگ کو لیتی ہے وہ
اپنے ڈھب سے خاک کو آدم بنا دیتی ہے وہ

ہے ضمیر اس کا نہادِ ممکناتِ زندگی
اس کی تاب و تب میں پنہاں ہے ثباتِ زندگی

اس کے شعلے سے نکل کر اڑتی ہیں چنگاریاں
سوز سے اس کے ہویدا ارتباطِ جسم و جاں

ہم ہیں اس کی ارجمندی سے جہاں میں ارجمند
ہم ہیں سارے نقش اس کے، وہ ہماری نقش بند

پائی ہے اللہ سے تو نے اگر تابِ نظر
پاک بن جا اس کی قدسیت کا پھر نظارہ کر



تیرے دیں کی عصرِ نو نے لوٹ لی ہے آب و تاب
فاش تجھ پر میں کیے دیتا ہوں اسرارِ حجاب

ذوقِ تخلیق آگ کی مانند رکھتا ہے بدن
اور اس کی روشنی سے ہے فروغِ انجمن

جس کسی کو ملتا ہے اس آگ سے کوئی نصیب
اپنے سوز و ساز کا وہ آپ بنتا ہے رقیب

ہر زماں رہتی ہے اپنے نقش پر اس کی نظر
تاکہ اس کی لوح پر وارد نہ ہو نقشِ دگر

مصطفیٰ ﷺ غارِ حرا میں جب ہوئے خلوت گزیں
ایک مدّت اور کو اپنے سوا دیکھا نہیں

ان کے دل میں پھر ہمارے نقش کو ڈالا گیا
اک نئی ملت کا آغاز ان کی خلوت سے ہوا

منکرِ یزداں تو ممکن ہے کہ ہو بندہ کوئی
منکرِ شانِ پیمبر ﷺ ہو نہیں سکتا کوئی

جانِ روشن گرچہ تو رکھتا ہے مانندِ کلیم
پر تری فکر و نظر رہتی ہے بے خلوت عقیم

ہاں، کم آمیزی سے ہے تیرا تخیل زندہ تر
زندہ تر، تابندہ تر، جوئندہ تر، پائندہ تر

علم بھی اور شوق بھی دونوں مقاماتِ حیات
ان کو دیتی ہیں نصیب ان کا جہاں میں واردات

علم کو تحقیق کی کوشش میں لذت ملتی ہے
عشق کو تخلیق کی کاوش میں لذت ملتی ہے

صاحبِ تحقیق کو ہے بزم آرائی پسند
صاحبِ تخلیق کو ہوتی ہے تنہائی پسند

چشمِ موسیٰؑ نے جو چاہا تھا خدا کو دیکھنا
یہ کرشمہ بھی تھا سارا لذتِ تحقیق کا

لن ترانی اپنے اندر رکھتی ہے نکتے دقیق
غوطہ زن ہو کر کسی دم دیکھ یہ بحرِ عمیق

ہر کہیں عالم میں ہیں بے پردہ آثارِ حیات
اور ان سب کا ہے سر چشمہ ضمیرِ کائنات

دیکھ ہر لحظہ بپا ہنگامۂ آفاق کو
زحمتِ جلوت کبھی لیکن نہ دے خلّاق کو

سچ تو یہ ہے حفظِ ہر نقش آفریں خلوت سے ہے
اس کے خاتم کا درخشندہ نگیں خلوت سے ہے



۲۔ حکومتِ الٰہی

عہدہ و منصب سے بالا بندہَ حق کا مقام
نے غلام اس کا کوئی ہے نے کسی کا وہ غلام

بندہَ حق ہے جہاں میں مردِ آزاد اور بس
ملک اور آئین ہے اس کا خداداد اور بس

حق سے اس کا رسم و راہ و دین و آئین ہے تمام
حق سے اس کا زشت و خوب و تلخ و نوشیں ہے تمام

عقلِ خود بیں لا تعلق غیر کی بہبود سے
کیا غرض اپنے سوا اس کو کسی کے سود سے

دیکھتی ہے وحیِ حق سب کی خوشی سب کی فلاح
چاہتی ہے منفعت سب کے لئے اس کی نگاہ

کاربند انصاف پر ہے دوستی ہو یا مصاف
وصل میں بھی فصل میں بھی لایزاعی لایخاف (☆)

غیرِ حق کوئی کہیں جب ناہی و آمر ہوا
زور آور ناتواں پر جابر و قاہر ہوا

(☆) لایزاعی لایخاف = نہ کسی سے رعایت کرتا ہے نہ کسی سے ڈرتا ہے۔

زیرِ گردوں قاہری پر ہے اساسِ آمری
ماسو اللہ کی جہاں میں آمری ہے کافری

قاہرِ آمر کہ ہوتا ہے ذہین و پختہ کار
اپنے گرد اپنے قوانین کا بناتا ہے حصار

جرّہ شاہیں کی طرح ہے تیز چنگ و زود گیر
ساتھ رکھتا ہے بنا کر وہ ممولوں کو مشیر

جبر کو پیراہنِ دستور پہنا دیتا ہے
ایک اندھا دوسرے اندھے کو سرمہ دیتا ہے

شرع و آئینِ شہی سے فربہ ہے جاگیردار
چرخے کے تکلے کی صورت بے وسیلہ کاشتکار



قابلِ افسوس ہے دستورِ جمہورِ فرنگ
مردہ کو کر ڈالتا ہے مردہ تر صورِ فرنگ

شعبدہ بازانِ افرنگ آسمانوں کی طرح
رکھتے ہیں قوموں کو اپنے اپنے مہروں کی طرح

شاطرانِ حیلہ جو یوں کھیل کھیلا کرتے ہیں
دکھ ہمیں دے کر وہ سرمایہ اکٹھا کرتے ہیں

فاش "سرِ دلبراں" کہتا ہوں سوداگر ہیں سب
ہم تو ہیں مالِ تجارت اور وہ تاجر ہیں سب

حُبِّ سیم و زر سے آنکھیں ان کی بے نم رہتی ہیں
اپنے فرزندوں کو بارِ دوش مائیں کہتی ہیں

حیف ایسی قوم پر ہے جو ثمر کے خوف سے
سارے اندامِ شجر سے اس کے نم کو چھین لے

بے تامل ختم نازادہ کا کرتے ہیں وجود
تاکہ اس کے تار میں آئے نہ زخمہ سے سرود

گرچہ ہے معمور شیوہ ہائے رنگا رنگ سے
کچھ بھی جز عبرت نہیں ملتا مجھے افرنگ سے

مغربی اقوام کی تقلید سے آزادرہ
تھام لے قرآں کا دامن زندگی میں شادرہ



۳۔ زمین خدا کی ملکیت ہے

مشرق و مغرب میں ہے آدم کی یہ رودادِ کرب
ہر طرف بہرِ زمیں ہیں فتنہ ہائے حرب و ضرب

یہ زمین ہے ایک دلہن جس کے شوہر ہم سبھی
اک فسوں گر ہے جو سب کے ساتھ بھی ہے دور بھی

مکر و فن ہیں سارے اس کے عشوہ ہائے دل نشیں
یاد رکھ زنہار یہ تیری نہیں میری نہیں

تجھ کو کیونکر سازگار آ سکتے ہیں سنگ و حجر
تو سفر میں ہے و لیکن یہ ہیں اسبابِ حضر

اختلاط و ربط کیسا خفتہ و بیدار کا؟
کیا تعلق کام کیا ثابت سے ہے سیار کا؟

خالقِ عادل نے قرآں میں متاع اس کو کہا
مفت مل جاتی ہے سب کو یہ متاعِ بے بہا

اے زمیندار اس سخن کو رکھ گرہ میں باندھ کر
لے زمیں سے رزق و قبر اس پر مگر قبضہ نہ کر

اس کی صحبت کب تلک، تو بود ہے وہ ہے نبود
تو تو رکھتا ہے وجود اور وہ نمودِ بے وجود

طائفِ افلاک ہو کر دیکھ مانندِ عقاب
کھول اپنے بال و پر کو، خاک سے کر اجتناب

معنیٔ الارض للہ ریب و شک سے پاک ہے
جو نہ سمجھے اس کو کافر کہنے میں کیا باک ہے



میں نہیں کہتا ہوں تجھ سے ترک کر دے کاخ و کو
تیری ہی دولت ہے یہ سارا جہانِ رنگ و بو

موتیوں کو دانہ دانہ چن لے اس کی خاک سے
شاہبازوں کی طرح سے کر شکار افلاک سے

ضربِ پیہم اپنے تیشے سے لگا کہسار پر
اپنے دل سے نور لے کر نار پر یلغار کر

مسلکِ آزر سے یکسر پاک رہ بیگانہ باش
اپنی خواہش کے مطابق اپنی دنیا کو تراش

رنگ و بو و کاخ و کو گو ہیں بہت دل کش تمام
دل نہ دے لیکن کسی کو یہ خدا کا ہے مقام

نقرہ و فرزند و زن میں جو بشر بھی کھو گیا
رخصت اس دنیا سے بے گور و کفن وہ ہو گیا

جس کسی نے ایک حرفِ لا الٰہ ازبر کیا
اس نے گم سارے جہاں کو قلب کے اندر کیا

فقر کا مفہوم جوع و رقص و عریانی نہیں
درحقیقت فقر سلطانی ہے، رہبانی نہیں

۴۴۔ حکمت خیرِ کثیر ہے

حق نے خود حکمت کو فرمایا ہے جب خیرِ کثیر
وہ جہاں سے بھی ملے ہر گز نہ کر لینے میں دیر

علم حرف و صوت کو شہپر عطا کر دیتا ہے
ناگہر کو پائی گوہر عطا کر دیتا ہے

علم گردوں کی بلندی پر بنا لیتا ہے راہ
آنکھ سے خورشید کی وہ چھین لیتا ہے نگاہ

ساری موجودات کی تفسیر اس کا نسخہ ہے
سب کی تقدیر اس کی ہی تدبیر سے وابستہ ہے

دشت کر دیتا ہے پیدا اس کے کہنے سے حباب
بحر کرتا ہے ہویدا اس کے کہنے سے سراب

علم رکھتا ہے نظر میں وارداتِ کائنات
تاکہ وہ پائے سراغِ محکماتِ کائنات

دل لگا حق سے کہ یہ ہے شیوۂ پیغمبری
حق سے دل بیگانہ رکھتا ہے طریقِ کافری

علم اگر بے سوزِ دل حاصل کریں، بنتا ہے شر
روشنی اس علم کی ہے تیرگئ بحر و بر

تیرہ و تاریک اس کے غازہ سے روئے جہاں
زندگانی کے لئے اس کی بہاراں ہے خزاں

بحر و دشت و کوہسار و بوستان و باغ و راغ
اس کے طیاروں کی بمباری سے ہیں سب داغ داغ

سینۂ مغرب میں اس نے آگ وہ بھڑکائی ہے
جنگ ہے' یلغار ہے' شبخوں ہے' رزم آرائی ہے

پھیر دیتا ہے وہ پیچھے کی طرف ایام کو
لوٹتا ہے برملا سرمایۂ اقوام کو

اس کی قوت دہر میں ابلیس کی ہے دوستدار
نور کو بھی نار کی صحبت بنا دیتی ہے نار

مارنا ابلیس کو دشوار ہے' آساں نہیں
کیونکہ ہو جاتا ہے وہ اعماقِ دل میں جاگزیں

اس سے بہتر ہے مسلماں کر سکے تو کر اسے
کشتۂ شمشیرِ قرآں کر سکے تو کر اسے

یہ جلالِ بے جمالے' الاماں والحفیظ!
یہ فراقِ بے وصالے' الاماں والحفیظ!

علم بے سوزِ محبت ہے تو طاغوتی ہے وہ
علم با سوزِ محبت ہے تو لاہوتی ہے وہ

عشق سے بیگانہ ہے جو علم و حکمت مردہ ہے
عقل اک ایسا ہے ناوک جو ہدف ناخوردہ ہے

ایسے نابینا کو بینائی سے مایہ دار کر
بولہب کو بو لہب سے حیدرِ کرار کر

زندہ رود

محکماتِ عالمِ قرآں کیے تو نے بیاں
عرصۂ آفاق میں لیکن وہ عالم ہے کہاں؟

اپنے چہرے سے وہ پردے کو اٹھاتا کیوں نہیں؟
اور بیرونِ ضمیرِ ملت آتا کیوں نہیں؟

کُرد و تاتاری کا سینہ سوز سے خالی ہوا
یا مسلماں مر گیا یا دہر سے قرآں گیا؟

سعید حلیم پاشا

کافری سے دینِ حق دنیا میں رسوا تر ہوا
وہ کہ ملا ہے ہمارا آپ کافر گر ہوا

جانتے ہیں اپنی شبنم کو بھی ہم مانندِ یم
وہ سمجھتا ہے ہمارے یم کو بھی شبنم سے کم

طرفہ تاویلیں کیا کرتا ہے وہ قرآں فروش
میں نے جبریلِ امیں کو دیکھا ہے محوِ خروش

آسماں کے اُس طرف سے اس کا دل بیگانہ ہے
اس کی ناقص فہم میں اُمّ الکتاب افسانہ ہے

حکمتِ دینِ نبی ﷺ سے فیض پایا ہے کہاں
تیرہ ہے بے کوکبی سے اس کا اپنا آسماں

کم نگاہ و کور ذوق و یا وہ گو و ہرزہ گرد
ملت اس کی تفرقہ پردازیوں سے فرد فرد

اس طرح ہیں مکتب و ملّا و اسرارِ کتاب
جیسے مادر زاد نابینا و نورِ آفتاب

عصرِ نو میں دینِ کافر فکر و تدبیرِ جہاد
دینِ ملّا ان دنوں ہے فی سبیل اللہ فساد



مردِ حق سے جو کہ ہے جانِ جہانِ چار سو
اور اب خلوت نشیں ہے میری جانب سے کہو

اے ترے افکار سے مومن کو ملتی ہے حیات
اے تری صحبت سے ملت کو میسر ہے ثبات

حفظِ قرآنِ مبیں ہر دور میں آئیں ترا
حرفِ حق کہنا جہاں میں فاش تر ہے دیں ترا

جانشیں موسیٰؑ کا ہے کب تک رہے گا سرنگوں
وقت ہے اب آستیں سے ہاتھ اپنا لا بروں

بے محابا سرگزشتِ ملتِ بیضا سنا
ماجرا آہو کو پہنائے بیاباں کا سنا

تیری فطرت مصطفیٰ ﷺ کے نور سے روشن مدام
پھر بتا آخر ہمارا ہے جہاں میں کیا مقام



مردِ حق لیتا نہیں ہرگز کسی سے رنگ و بو
ہے اسے منظور صرف اللہ ہی سے رنگ و بو

تاب و تب سے ہر زماں اس کے لئے جان اور ہے
ہر نفس ہر ثانیہ حق کی طرح شان اور ہے

مردِ مومن کو جہاں میں محرمِ اسرار کر
شرحِ رمزِ کُلَّ یومٍ (☆) کر بیاں سو بار کر

کارواں کی جز حرم ہرگز نہیں منزل کوئی
غیرِ حق اصلا نہیں ہے اندرونِ دل کوئی

میں نہیں کہتا کہ تبدیل اس نے کر لی اپنی راہ
کارواں بھی اور ہے اب اور ہے اس کی نگاہ



(☆) کُلَّ یومٍ ھُوَ فی شانٍ (آیہ شریف)

افغانی

گر حدیثِ مصطفیٰ ﷺ سے تو نے پایا ہے نصیب
دینِ حق اس عالمِ آفاق میں آیا غریب (☆)

میں بتاتا ہوں تجھے کہتا ہے کیا یہ حرفِ بکر (☆☆)
غربتِ دیں کا نہیں مفہوم فقرِ اہلِ ذکر

بہرِ مومن جو کہ ذوقِ جستجو کا ہے امیں
غربتِ دیں ندرتِ آیاتِ قرآنِ مبیں

غربتِ دیں ہر زماں رکھتی ہے اندازِ دگر
گر ہے تو صاحب نظر اس نکتے کا ادراک کر

دل کو اس کی آیتوں سے اور بھی کر بہرہ مند
تاکہ عصرِ نو کو تو کر لے گرفتارِ کمند

کوئی دنیا میں نہیں دانائے اسرارِ کتاب
مشرقی اور مغربی سب ہیں رہینِ پیچ و تاب

روسیوں نے ایک نقشِ نو کی ڈالی ہے بنا
جس سے روٹی مل گئی ہے دیں کو لیکن کھو دیا

(☆) غریب - صحیح حدیث اَلْاِسلَامُ جَاءَ غرِیبًا

(☆☆) بکر = پاکیزہ، اچھوتا

حق کو سُن اور حق ہی کہہ اور کر تلاشِ حق مدام
اس نئی ملت کو تو پہنچا دے میرا یہ پیام



افغانی کا پیغام روسیوں کے نام

منزل و مقصودِ تعلیماتِ قرآں اور ہے
آج لیکن رسم و آئینِ مسلماں اور ہے

پہلی سی آتش اب اس کے دل میں سوزندہ نہیں
مصطفیٰ ﷺ کا عشق اس کے سینے میں زندہ نہیں

فیضِ قرآنی سے اس کی زندگی محروم ہے
ساغر و مینا میں اس کے مے رہی نے دُردِ مے

منہدم خود ہی طلسمِ قیصر و کسریٰ کیا
خود ہی وہ تختِ ملوکیت پہ ہے بیٹھا ہوا

جیسے جیسے اس کا نخلِ سلطنت بڑھتا رہا
اس کے دیں پر رنگِ شاہنشاہیت چڑھتا رہا

بادشاہت سے بدل جاتی ہے قوموں کی نگاہ
اور ہو جاتی ہے عقل و ہوش و فکر و رسم و راہ



رائج اپنے ملک میں تو نے نظامِ نو کیا
دل سے دستورِ کہن کا سحر زائل کر دیا

تو نے بے شک استخوانِ قیصریت توڑ دی
ہم مسلمانوں کی مانند اس کی قوت توڑ دی

ہے ہماری داستاں میں اک سبق تیرے لئے
تجھ کو لازم ہے ضمیر اس شمع سے روشن کرے

پاؤں محکم رکھ کر کہ یہ ہے زندگی بھر کا مصاف
اب نہ کرنا ہرگز اس لات و ہبل کا پھر طواف

مضمر اس ملت میں ہے دنیائے کہنہ کی فلاح
دے جو اچھوں کو بشارت اور بروں کو انتباہ

اب دوبارہ واپس آ جانبِ اقوامِ شرق
اب ترے ایام ہیں وابستۂ ایامِ شرق

تیری جاں میں اک الگ صورت کا سوز و ساز ہے
تیرے دل میں روز و شب کا اک نیا انداز ہے

اب طریق و شیوۂ افرنگ فرسودہ ہوا
پھر نہ دیکھ اس دیرِ کہنہ کو کہ ہے دیکھا ہوا

کام آقاؤں کا تو نے کر دیا ہے جب تمام
لا کی منزل سے گزر، اِلّا کی جانب کر خرام

لا سے آگے چل تری خواہش ہے گر ایسی حیات
جس کو حاصل اس جہانِ شش جہت میں ہو ثبات

اک نظامِ تازہ کی تشکیل کا ہے خواستگار
ڈھونڈلی ہے تو نے کیا اس کی اساسِ استوار؟



داستانِ کہنہ کو تو نے مٹایا باب باب
روشنی فکر و نظر کو دیتی ہے اُمّ الکتاب

کس نے تیرہ فام بندوں کو یدِ بیضا دیا؟
بے کسوں کو مژدۂ "لا قیصر و کسریٰ" دیا

جلوہ ہائے رنگ رنگ و خیرہ کن سے کر حذر
دور ترا فرنگ سے رہ، آپ کو دریافت کر

گر ہے مغرب کے فریب و مکر سے تو باخبر
روبہی سے ہو گریزاں اور شیری پیشہ کر

کیا ہے روباہی، تلاش و جستجوئے ساز و برگ
شیرِ مولا کا مگر مقصود آزادی و مرگ

جز بقرآں ضیغمی کیا ہے؟ فقط ہے روبہی
فقرِ قرآں کیا ہے؟ یہ ہے اصل میں شاہنشہی

فقرِ قرآں ارتباط و اختلاطِ فکر و ذکر
ذکر سے عاری ہے تو کامل نہیں ہوتی ہے فکر

ذکر ذوق و شوق کو دیتا ہے تعلیمِ ادب
کارِ جاں ہے یہ نہیں کارِ زبان و کام و لب

اس سے ہوتے ہیں فروزاں شعلہ ہائے سینہ سوز
راس جو تیری طبیعت کو نہیں آیا ہنوز

اے کہ تو ہے گر شہیدِ شاہدِ رعنائے فکر
میں بتاتا ہوں تجھے کیا ہیں تجلی ہائے فکر



کیا ہے قرآں؟ خواجگی کے واسطے پیغامِ مرگ
کیا ہے قرآں؟ دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ

مردکِ زرکش سے خیر و آشتی مت کر طلب
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا (☆) ہے حرفِ رب

سود سے کیا ہاتھ آتا ہے کسی کو جز فِتن
کون ہے آگاہ کیا ہے لذتِ قرضِ حسن

سود سے جاں تیرہ ہے، دل ہے مثالِ خشت و سنگ
اک درندہ بنتا ہے انسان بے دندان و چنگ

رزق اپنے واسطے لینا زمیں سے ہے روا
یہ متاعِ بندہ بے شک ہے مگر ملکِ خدا

بندۂ مومن امیں ہے اور مالک ہے خدا
غیرِ حق جو کچھ بھی ہے اس کا مقدر ہے فنا

رایتِ حق بادشاہوں سے ہوا ہے سرنگوں
ان کی آمد سے ہوئی ہیں بستیاں خوار و زبوں

آب و ناں رکھتا ہے ہم سب کے لئے اک مائدہ (☆)
دودمانِ حضرتِ آدم کَنَفْسٍ وَاحِدَہ (☆)

(☆) ...آیہ شریفہ۔ ہرگز حاصل نہ کر سکو گے نیکی میں کمال جب تک تم اپنی محبوب شے (دولت) میں سے ایک حصہ اللہ ...میں خرچ نہ کرو۔ (☆) دسترخوان (☆) صحیح آیہ شریفہ

نقش ہائے کاہن و پاپا کہ تھے باطل تمام
اس جہاں سے نقشِ قرآں نے کیے زائل تمام

فاش کہتا ہوں کہ یہ میرے سخن کا طور ہے
تو کتاب اس کو نہ کہہ، یہ چیز کوئی اور ہے

جاں میں جس دم یہ اترتی ہے بدل جاتی ہے جاں
اور پھر جاں کے بدلنے سے بدلتا ہے جہاں

یہ خدا کی طرح پنہاں بھی ہے اور پیدا بھی ہے
زندہ و پائندہ بھی ہے اور یہ گویا بھی ہے

اس کے اندر ہے نہاں تقدیر ہائے غرب و شرق
دیکھ لا کر فکر و اندیشہ میں تیزی مثلِ برق

اس نے مسلم سے کہا جاں رکھ ہتھیلی پر سدا
دے غریبوں کو اسے جو کچھ ہے حاجت سے سوا

تو نے دنیا میں بنایا شرع و آئینِ دگر
اس پہ قرآنِ مبیں کی روشنی میں فکر کر

تاکہ تجھ کو ہو خبر کیا ہے بم و زیرِ حیات
تو سمجھ جائے کسے کہتے ہیں تقدیرِ حیات



اب ہماری بزم میں صہبا ہے نے ساقی ہے وہ
ہاں مگر قرآن کا نغمہ جو تھا باقی ہے وہ

ہو گیا ہے اب اگر زخمہ ہمارا بے اثر
آسماں کے پاس اب بھی ہیں ہزاروں زخمہ ور

امتوں کی ذکرِ حق کو دہر میں حاجت ہے کیا؟
ذکرِ حق تو ہے زماں سے اور مکاں سے ماورا

ذکرِ ہر ذاکر سے ذکرِ حق جدا ہے بے گماں
اس کو آخر احتیاجِ روم و ایراں ہے کہاں؟

گر ہمیں محروم کر دے اس سعادت سے خدا
کام لے گا پھر یہی اک اور ملت سے خدا

میں نے دیکھا ہے مسلمانوں میں تقلید و گماں
کانپتی رہتی ہے ہر لحظہ بدن میں میری جاں

خوف اس دن سے ہے مجھ کو جب مسلماں سے خدا
لے کے اپنی آگ کر دے اور کے دل کو عطا



پیر رومی زندہ رود سے کہتے ہیں کہ کوئی شعر سنا

پیرِ رومی پیکرِ جذب و یقیں، دردِ آشنا
جانتا ہوں اس کے دل پر اس سخن نے کیا کیا

اس کی آہ اتری مرے دل میں مثالِ نیشتر
اور شہیدوں کے لہو سے اشک تھے رنگین تر

ہے دلِ مرداں ہدف جس کی نگہ کے تیر کا
دیکھ کر پھر اس نے افغانی کی جانب یوں کہا

دل شفق کی طرح خوں میں رنگ لینا چاہئے
ہاتھ کو فترِ اکِ حق کو سونپ دینا چاہئے

صورتِ جوئے رواں امید کے باعث ہے جاں
ہے جبا کہئے جو نومیدی کو مرگِ جاوداں

مجھ کو اس کے بعد دیکھا اور کہا اے زندہ رود
ایک دو بیتوں سے کر آتش جاں میرا وجود

ہے ہماری ناقہ خستہ و حزیں، محمل گراں
تلخ تر ایسے میں لازم ہے نوائے سارباں

امتحاں ہے پاک مردوں کے لئے کرب و بلا
اس لئے ہے تشنگاں کو تشنہ تر کرنا روا

پار موسیٰؑ کی طرح کر راستے کی رودِ نیل
گام زن ہو سوئے آتش تیز تر مثل خلیلؑ

نغمہ مردانہ جس سے آتی ہو خوشبوئے دوست
جو ہماری قوم کو لے جائے سوئے کوئے دوست



غزل زندہ رود

یہ گل و لالہ کہ جن کو تو سمجھتا ہے مقیم
سبھی سر گرمِ سفر ہیں صفتِ موجِ نسیم

معنئ تازہ کہاں ہے جسے ہم ڈھونڈتے ہیں
مسجد و مکتب و میخانہ ہوئے سارے عقیم

آپ سے سیکھ لے اک حرف اسی حرف میں جل
خانقہ والے ہیں اس دور میں بے سوزِ کلیم

جانہ ان تکیہ نشینوں کی صفا کوشی پر
یہ ہیں سارے موئے ژولیدہ و ناشستہ گلیم

اک حرم میں انہوں نے کتنے بنائے ہیں حرم
اہلِ توحید یک اندیش ہیں لیکن دو نیم

ذوقِ ہنگامہ گیا بزم سے مشکل یہ نہیں
ہاں، یہ مشکل ہے کہ اب سارے ہیں بے نقل و ندیم



(☆) عقیم = بانجھ

فلکِ زہرہ

فلکِ زہرہ

نورِ خورشید درخشاں اور ہمارا یہ جہاں
سو فضائیں تہ بہ تہ حائل ہیں ان کے درمیاں

نورِ خورشیدِ درخشاں اور ہمارا یہ جہاں
سو فضائیں تہ بہ تہ حائل ہیں ان کے درمیاں

سامنے اپنی نگہ کے جو ہزاروں پردے ہیں
آتشیں جلوے انہیں پردوں سے چھن کر آتے ہیں

تاکہ اس کم سوزی کے باعث ہوں سینے سوز تر
آئے شاخ و برگ و بر کو سازگار اس کا اثر

اس کی تاب و تب سے ہے رگہائے لالہ میں لہو
اس کے پیہم رقص سے سیماب گوں ہے آبجو

خاک سے اس طرح جانِ پاک کی ہے وانمود
چار سو سے بے سوئی کی سمت کرتی ہے صعود

راہ میں آتے ہیں اس کی مرگ و حشر و حشر و مرگ
جز تب و تاب اور کچھ رکھتی نہیں ہے ساز و برگ

آسمانوں کی فضاؤں میں شناور ہر زماں
آتی رہتی ہے بروں غوطہ لگا کر ہر زماں

آپ ہے اپنا حریم اور آپ ابراہیمؑ بھی
مثلِ اسمٰعیلؑ اس کا خم سرِ تسلیم بھی

سامنے اس کے ہیں نو افلاک خیبر کی طرح
فتح کرتی اپنی ضربت سے ہے حیدرؓ کی طرح

یہ ستیزِ دمبدم ہشیار کرتی ہے اسے
محکم و پاکیزہ و سیّار کرتی ہے اسے

اس کی پروازیں فضائے نور میں ہیں دور دور
اس کے پنجے کی پکڑ میں آتے ہیں جبریل و حور

اس کو "مازاغ البصر" (☆) سے اپنا ملتا ہے نصیب
اور بنتی ہے مقامِ "عبدہٗ" کی وہ رقیب.

☆☆☆

میں نہیں اپنے مقام و مرتبہ سے آشنا
لیکن اتنا جانتا ہوں یہ ہے یاروں سے جدا

میرے اندر معرکہ برپا ہے بے خیل و سپاہ
اس کا محرم ہے وہی جو آپ رکھتا ہے نگاہ

لوگ ناواقف ہیں یہ کیسی ہے رزمِ کفر و دیں
میری جاں دنیا میں تنہا جیسے زین العابدیں

(☆) آیہ شریفہ (نہ آپ کی نگاہ میں کجی پیدا ہوئی نہ حد سے آگے بڑھی)
(☆) اس آیت کی طرف تلمیح ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً۔

کون ہے وہ جادہ و منزل سے جو آگاہ ہے
تیرگی میں اک نوا میری چراغِ راہ ہے

غرقِ دریا سب ہوئے ہیں طفلک و برناو پیر
جاں کو ساحل پر بچا کر لایا اک مردِ فقیر

فاش اسرارِ جہانِ بے کراں کرتا ہوں میں
ہجر میں نالہ کناں ہوں وصل سے ڈرتا ہوں میں

وصل اگر شوقِ سفر کا خاتمہ ہے الحذر
اس سے خوشتر ہے ہمیں آہ و فغانِ بے اثر

جادہ پیما راستے کا کس لئے ڈھونڈے سراغ
دہر میں گر اس کی جاں کو راس آ جائے فراغ

میرا قلبِ مضطرب رکھتا ہے وہ ذوقِ نظر
ہر زماں جو چاہتا ہے اک جہانِ تازہ تر

اب کہا رومی نے جو واقف ہیں میرے حال سے
"عالمِ نو چاہئے' لے' دیکھ اپنے سامنے

عشق شاطر ہے اور اس کے ہاتھ میں مہرے ہیں ہم
یہ سوادِ زہرہ ہے اب جس جگہ آئے ہیں ہم

ایک عالم خاک اور پانی سے ہے جس کا قوام
ہے حرم کی طرح گرد اس کے غلافِ مشک فام

دیکھتا جا بانگاہِ پردہ سوز و پردہ در
ہر طرف چھائی ہوئی اس دھند سے یوں ہی گزر

تجھ کو آئیں گے نظر اس جا خدایانِ کہن
میں انھیں اچھی طرح پہچانتا ہوں تن بہ تن

اس جگہ ہیں، بعل و مردوخ و یعوق و نسر و قسر
اس جگہ ہیں رم خن و لات و منات و عسرؔ و غسر

اس زمانے کے رویے کو کہ ہے جو بے خلیلؑ
جانتے ہیں یہ پھر اپنے واپس آنے کی دلیل"



اقوامِ قدیم کے خداؤں کی مجلس

وہ ہوائے تند و پرشور اور وہ شبگوں سحاب
تیرگی سی تیرگی تھی، برق نے گم کی تھی تاب

جیسے آویزاں ہواؤں میں سمندر تھا کوئی
چاکِ داماں تھا مگر گوہر نہ تھا گرتا کوئی

اس کا ساحل بے نشاں تھا اور موجیں گرم خیز
گرم خیز اور تیز طوفانی ہوا سے کم ستیز

رومی اور میں بحر میں جو تھا سیہ مانندِ قیر
ایسے تھے جیسے خیال اندر شبستانِ ضمیر!

اس نے دیکھے تھے سفر پر میں ابھی تھا نو سفر
دونوں آنکھوں میں بڑی بے صبر تھی میری نظر

"نارسا میری نگہ ہے" کہتا تھا میں ہر زماں
"ہے کہاں مجھ کو نظر آتا نہیں دیگر جہاں"

آخرش ظاہر ہوئے اب کوہساروں کے نشاں
جوئباروں، مرغزاروں، سبزہ زاروں کے نشاں

کوہ و صحرا اپنے دامن میں لئے تھے سو بہار
آ رہی تھی کوہساروں سے نسیمِ مشکبار

ہر طرف تھے نغمہ ہائے طائرانِ ہم نفس
ہر طرف تھے چشمہ زار و سبزہ ہائے نیم رس

ان ہواؤں کے اثر سے تھا بدن پائندہ تر
اندرونِ جسم جانِ پاک تھی بینندہ تر

اک پہاڑی سے جو میں نے دور تک ڈالی نظر
خوشنما کوہ و دمن تھے خوبصورت دشت و در

سامنے تھی ایک وادی بے نشیب و بے فراز
خاک سے اس کی کرے آبِ خضر عرضِ نیاز

جمع اس وادی کے اندر تھے خدایانِ کہن
وہ خدائے مصر و سودان اور یہ رَبّ الیمن

وہ تھا آقائے عرب یہ تھا خداوند عراق
اِس کو کہتے تھے الٰہ الوصل اُسے رَبّ الفراق

ایک نسل مہر سے تھا ایک دامادِ قمر
اک نے زوجِ مشتری پر گاڑ رکھی تھی نظر

ہاتھ سے دو دھاری تلوار ایک لہراتا ہوا
ایک کی گردن میں تھا مارِ سیہ لپٹا ہوا

سب کے دل میں تھا سمایا خوفِ از کارِ جمیل
سب کو ہر دم رکھتی تھی ہیبت زدہ ضربِ خلیلؑ

بولا مردوخ "آدمی نے اب خدا سے کی گریز
اجتناب اس کو کلیسا سے حرم سے بھی گریز

دیکھ عہدِ رفتہ کی جانب ہے پھر گرمِ سفر
تاکہ افزوں تر کرے وہ اپنا ادراک و نظر

پھر وہ آثارِ قدیمہ میں مزہ پانے لگا
پھر لبوں پر وہ ہماری داستان لانے لگا

دوسرا قصہ زمیں پر کہہ رہا ہے روزگار
آ رہی ہے اس طرف سے پھر ہوائے خوشگوار"

بعل نے اظہارِ بہجت نغمہ زن ہو کر کیا
فاش اسرارِ نہاں کو ان خداؤں پر کیا



نغمۂ بعل

واشگاف آدم نے سقفِ نیلگوں کو کر دیا
پر خدا اس کو نظر آیا نہیں گردوں کے پار

دل میں آدم کے بجز افکار اور رکھا ہے کیا؟
مثلِ امواج اک کی آمد دوسرے کا ہے فرار

اس کی جاں محسوس سے پاتی ہے یک گونہ سکوں
لوٹ کر آنے کو ہے پھر عہدِ رفتہ کی بہار

زندہ و پایندہ باد افرنگیٔ مشرق شناس
قبر سے بیروں جو لایا ہے ہمیں مردانہ وار

اے خدایانِ کہن اٹھنے کا وقت آیا' اٹھو

حلقۂ توحید کو دیکھو کہ ہے ٹوٹا ہوا
دہر میں ہے آلِ ابراہیم بے ذوقِ الست

اس کی صحبت منتشر ہے' جام ریزہ ریزہ ہے
اک زمانے میں جو تھی جبریل کی صہبا سے مست

بندۂ آزاد نے قیدِ مکاں کی ہے پسند
توڑ کر یزداں سے رشتہ ہے وطن کا زیرِ دست

ہے شکوہِ دیریاں سے خون اس کا اتنا سرد
باندھ لی زنار اس نے جو تھا پیرِ حق پرست

اے خدایانِ کہن، اٹھنے کا وقت آیا، اٹھو

لوٹ آئے ہیں جہاں میں اپنے ایامِ طرب
دیں ہزیمت خوردہ ہے، غالب ہوئے ملک و نسب

اب چراغِ مصطفیٰؐ سے ہم کو اندیشہ ہے کیا؟
اس کو پھونکوں سے بجھاتے ہیں ہزاروں بولہب

گو سنائی اب بھی دیتی ہے صدائے لا الٰہ
دل سے جو جاتا رہا ہونٹوں پہ وہ آتا ہے کب

اہرمن کو زندہ پھر افسونِ مغرب نے کیا
روزِ یزداں زرد رو جس پر ہے طاری بیمِ شب

اے خدایانِ کہن، اٹھنے کا وقت آیا، اٹھو

اس کی گردن کو دلاؤ دیں کے پھندے سے نجات
جو ہمارا بندہ تھا ہر بند سے آزاد تھا

یہ صلوٰۃ اس کے لئے اب ہو گئی ہے بارِ دوش
ایک رکعت وہ بھی بے سجدہ ہمارا مدعا

راگ سے جذبات ہو جاتے ہیں ارفع و بلند
کیا مزہ ہے اس عبادت میں جو ہو بے زمزمہ

ایسے یزداں سے جسے ہے غیب میں رہنا پسند
خوب تر ہے جو نظر کے سامنے ہو دیوتا

اے خدایانِ کہن، اٹھنے کا وقت آیا، اٹھو



دریائے زہرہ کے اندر جانا اور فرعون وکچنر کی ارواح کو دیکھنا

مرشدِ رومی نے جو ہیں صاحبِ ذکرِ جمیل
ضرب کو حاصل ہے جن کی سطوتِ ضربِ خلیل

اس غزل کو اک عجب مستی کے عالم میں پڑھا
ہر خدائے کہنہ اس کو سن کے سجدے میں گرا



غزل

ہمیں آئندہ و رفتہ پہ نظر کرنا ہے
اٹھ کہ اب فکر باندازِ دگر کرنا ہے

راحلہ لے کے شب و روز سے اپنے ہمراہ
عاشقی ناقۂ دوراں پہ سفر کرنا ہے

پیر کا کہنا ہے محکم نہیں دنیا کی روش
خوش و ناخوش سے تجھے قطعِ نظر کرنا ہے

تو ہے گر ترکِ جہاں کر کے خدا کا جویا
پہلے لازم ہے، تجھے خود سے حذر کرنا ہے

کہا مرشد سے کہ دل میں ہیں مرے لات و منات
کہا اس تبکدے کو زیر و زبر کرنا ہے

☆☆☆

پھر کہا مجھ سے کہ اٹھ دامن مرا تھام اے پسر
میرے ساتھ آ، رکھ نہ زنہار اور سے کام اے پسر

سامنے ہے وہ کہستاں وہ جبالِ بے کلیم
برف کی کثرت سے جو لگتا ہے اگ انبارِ سیم

اس کے پیچھے اک قلزم ہے کہ ہے الماس گوں
ہے زیادہ آشکار اس کے بروں سے اندروں

موج سے ہلچل نہ ہے سیلاب سے اس میں خلل
اس کی فطرت کو ملا ہے اک سکونِ لم یزل

دیکھنا یہ ہے مقامِ سر کشانِ زو رمست
اس جگہ ہیں منکرانِ غائب و حاضر پرست

ایک مشرق کا تھا باسی ایک مغرب کا مکیں
دونوں اپنے وقت میں تھے دشمنانِ اہلِ دیں

ایک کی گردن پہ ضربِ کاریٔ چوبِ کلیمؑ
دوسرا خنجر سے اک درویشِ کامل کے دو نیم

اصل میں یہ دونوں ہی فرعون تھے چھوٹے بڑے
دونوں تھے آغوشِ دریا میں مگر پیاسے مرے

مرگ کی تلخی سے ہوتا ہر کوئی ہے آشنا
مرگِ جباراں و لیکن ہے زآیاتِ خدا

چلتا رہ ہمراہ میرے اور کسی سے بھی نہ ڈر
ہاتھ میرے ہاتھ میں دے اور کسی سے بھی نہ ڈر

سینۂ دریا کو میں مانندِ موسیٰؑ چیر دوں
آ تجھے میں اس کی گہرائی کے اندر لے چلوں"

☆☆☆

راہ دی قلزم نے ہم کو اپنا سینہ کھول کر
یا ہوا تھی پانی کی صورت جو آتی تھی نظر

تہ میں اس دریا کی تھی ایک وادیٔ بے رنگ و بو
اس کے اندر تیرگی پھیلی ہوئی تھی چار سو

مرشد رومی نے جس دم سورۂ طٰہٰ پڑھی
دور و نزدیک اتری اس وادی میں ہر سو چاندنی

اک پہاڑی سلسلہ تھا شستہ و عریاں و سرد
اس میں دکھلائی دیے حیراں و سرگشتہ دو مرد

پہلے ان دونوں نے رومی کی طرف پھیری نظر
بے ارادہ پھر انہوں نے دیکھا سوئے یک دگر

بولا فرعون "آئی کیسی یہ سحر یہ جوئے نور
ظلمتوں میں کیسی ہے یہ صبح یہ نور و ظہور"

"رومی"

یہ صبا وہ ہے کہ ہر پنہاں ہے جس سے آشکار
اصل اس کی ہے یدِ بیضا لبد تک استوار

فرعون

آہ نقدِ عقل و دیں کو میں نے پہچانا نہیں
گرچہ دیکھا نور کو لیکن اسے جانا نہیں

اے جہاندار و ذرا میری طرف بھی دیکھنا
اے زیاں کار و ذرا میری طرف بھی دیکھنا

حرصِ زر میں جو ہے اندھی حیف ایسی قوم پر
جو لحد کی خاک سے بھی لیتی ہے لعل و گہر

اب عجائب گھر میں جو پیکر ہمارا رہتا ہے
وہ لبِ خاموش سے اپنا فسانہ کہتا ہے

کیا ہے انجامِ ملوکیت' خبر دیتا ہے وہ
کور چشموں کو بصیرت کی نظر دیتا ہے وہ

ہے ملوکیت کی تقدیر افتراق و اشتقاق
ڈھونڈتی ہے بہرِ استحکام تدبیرِ نفاق

زار و خوار اس کی بد آموزی سے ہے تقدیرِ ملک
باطل و نا محکم و آشفتہ تر تدبیرِ ملک

پھر جو پاؤں شرفِ دیدارِ کلیمؑ اللہ میں
بے تامّل ان سے چاہوں گا دلِ آگاہ میں

رومی

حاکمیت ہے اگر بے نورِ جاں رہتی ہے خام
سچ تو یہ ہے بے یدِ بیضا ملوکیت حرام

حاکیت ضعفِ محکوماں سے ہوتی ہے قوی
اس کی جڑ حرمانِ محروماں سے ہوتی ہے قوی

باج اور اس کی ادائی ہے بنائے تخت و تاج
مرد اگر پتھر بھی ہو بن جاتا ہے یکسر زجاج

فوج و زندان و سلاسل رہزنی ہے رہزنی
دستِ حاکم ایسے سامانوں سے ہوتا ہے غنی

ذوالخرطوم (☆)

مقصدِ ارفع ہے مغرب کی نظر کے سامنے
قبر کو کب توڑتے ہیں لعل و گوہر کے لئے

(☆) ذوالخرطوم = خرطوم سوڈان کا مشہور شہر ہے جسے کچنر نے فتح کیا تھا۔ اس لئے حکومت برطانیہ نے اسے لارڈ خرطوم کا خطاب دیا۔ جس کا عربی ترجمہ ذوالخرطوم ہے۔

اس طرح کرتے ہیں وہ تحقیقِ آثارِ قدیم
تاکہ دیکھیں سرگزشتِ مصر و فرعون و کلیمؑ

علم و حکمت کچھ نہیں جز کشفِ اسرارِ نہاں
حکمتِ بے جستجو کی قدر و وقعت ہے کہاں؟

فرعون

قبر سے میری خزینہ علم و حکمت کا ملا
لیکن آخر تربتِ مہدی کے اندر کیا ملا؟



درویش سوڈانی کا ظاہر ہونا

دفعتاً لہرا کے کڑکی برقِ رخشاں آب میں
موجیں اٹھ اٹھ کر ہوئیں غلطاں و پیچاں آب میں

خلد کی خوشبو مشامِ جاں کو مہکانے لگی
روح اس سوڈان کے درویش کی ظاہر ہوئی

وہ تپش تھی سیپ میں گوہر پگھل کر رہ گیا
سینۂ کجز میں تھا پتھر پگھل کر رہ گیا

بولی "اے کجز ذرا دیکھ آنکھ رکھتا ہے اگر
انتقامِ خاکِ درویش آئے گا تجھ کو نظر

آسماں نے قبر تیری خاک کو دی ہی نہیں
جزیمِ شور اب جگہ تیرے لئے کوئی نہیں"

بات جیسے اب گلے ہی میں ٹھہر کر رہ گئی
اک بلند آہِ جگر تاب اس کے ہونٹوں سے ہوئی

پھر کہا اس نے کہ "اے روحِ عرب بیدار ہو
صورتِ اسلاف تو بھی خالقِ اعصار ہو

اے فواد، اے فیصل، اے ابنِ سعود اٹھو شتاب
مثلِ دود اپنے ہی گرد اس طرح کب تک پیچ و تاب؟

زندہ سینے میں کرو وہ سوز جو جاتا رہا
پھر وہی لاؤ جہاں میں روز جو جاتا رہا

خاکِ بطحا' اک بشر دے خالدؓ جانباز سا
نغمۂ توحید پھر اک بار دنیا کو سنا

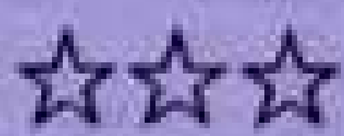
اے ترے صحرا کے ہوں نخل اور بالا و بلند
کوئی پیدا ہو نہیں سکتا عمرؓ سا ارجمند؟

اے جہانِ مومنانِ شک فام و نیک نام
تیری جانب سے مجھے آتی ہے خوشبوئے دوام

زندگانی تیری یوں ہی تابکے بے ذوق سیر!
تیری تقدیر اس طرح کب تک رہینِ دستِ غیر!

ہے مقام و مرتبہ تیرا کہاں تو ہے کہاں
بحر میں ہر دم ہے میری استخواں محوِ فغاں

تم بلا سے ڈرتے ہو؟ یہ ہے حدیثِ مصطفیٰ ؐ
ہے مسلماں کے لئے روزِ بلا روزِ صفا"



سارباں! یثرب میں اپنے یار ہیں ہم نجد میں
ایسا نغمہ چھیڑ جو ناقہ کو لائے وجد میں

ٹوٹ کر برسا ہے بادل ہر طرف سبزہ اگا
جس نے پائے ناقہ کو شاید کہ آہستہ کیا

جاں کو فرقت میں نہیں مہلت فغان و آہ سے
سبزہ کم تر جس میں ہو چلنا اب ایسی راہ سے

ناقہ مستِ سبزہ، عشقِ یار میں سرشار میں
اس کو سبزے کی ہے دھن، محوِ خیالِ یار میں

جا بجا صحرا میں بارش نے بنائی ہے سبیل
دھل کے ہیں نکھرے ہوئے پانی سے اوراقِ نخیل

دو ہرن ٹیلے کے اوپر سے ادھر آتے ہوئے
چل رہے ہیں آگے پیچھے دیکھ اتراتے ہوئے

چشمۂ صحرا سے پانی پی کے وہ شاداں ہوئے
راہ پیما پر نظر ڈالی تو کچھ حیراں ہوئے

نرم ریگِ دشت ہے نم سے مثالِ پرنیاں
اس لئے جادہ نہیں اشتر کو چلنے میں گراں

ہیں فلک پر بدلیاں مثلِ پرِ تیہو تمام
خوف بارش کا ہے مجھ کو دور ہے اب بھی مقام

ساربان! یثرب میں اپنے یار ہیں ہم نجد میں
ایسا نغمہ چھیڑ جو ناقہ کو لائے وجد میں



فلکِ مریخ

اہل مریخ

بند کیں آنکھیں جو میں نے ایک لمحہ آب میں
ہو گیا جب آپ سے غافل ذرا سا آب میں

اہلِ مریخ

بند کیں آنکھیں جو میں نے ایک لمحہ آب میں
ہو گیا جب آپ سے غافل ذرا سا آب میں

آن پہنچا جس جگہ پر وہ جہاں ہی اور تھا
اور تھا اس کا زماں بھی اور مکاں بھی اور تھا

مہر روز و شب کی لایا تھا وہاں نوعِ دگر
اور تھی اس کی تمام اطراف میں شام و سحر

جاں کی رسم و راہ سے تن بے خبر' بیگانہ تھا
تھا زمانے میں زمانے سے مگر بیگانہ تھا

جان کرتی ہے ہماری ساز گار ہر سوز کو
شادمانی سے گزارا کرتی ہے ہر روز کو

کہنہ و کم تاب اسے کرتی نہیں پروازِ روز
دن اسی کی روشنی سے ہوتے ہیں عالم فروز

روز و شب کی گردشِ پیہم اسی کے دم سے ہے
سیر اس کی کر کہ ہر عالم اسی کے دم سے ہے

☆☆☆

ایک سبزہ زار میں دیکھی رصدگاہِ بلند
ڈالتی تھی دوربیں جس کی ثریا پر کمند

میں نے سوچا خلوتِ نہ گنبدِ خضرا ہے یہ
یا ہمارے خاکداں کی طرح کی دنیا ہے یہ

میں کبھی تو اس کی وسعت کا کنارا ڈھونڈتا
اور کبھی اس کی فضائے آسماں کو دیکھتا

مرشدِ اہل نظر رومی نے یوں مجھ سے کہا
"دیکھ یہ مریخ ہے' یہ ایک عالم ہے جدا

اپنی دنیا کی طرح یہ ہے طلسمِ رنگ و بو
صاحبِ شہر و دیار و مرغزار وکاخ وکو

اہلِ مغرب کی طرح اس کے مکیں ہیں ذوفنوں
ہیں علومِ جان و تن کے باب میں ہم سے فزوں

وہ زماں کو اور مکاں کو اپنے بس میں رکھتے ہیں
علمِ پہنائے فضا کو دسترس میں رکھتے ہیں

منہمک تحقیق میں رہتے ہیں ہر دم اس قدر
ہر خم و پیچِ فضا سے ہو گئے ہیں باخبر

دل ہے ہم خاکی نہادوں کا غلامِ آب و گِل
اس جہاں میں آب و گِل ہے تابعِ فرمانِ دل

جب درونِ آب و گِل کرتا ہے کوئی دل قیام
جس طرح چاہے لیا کرتا ہے آب و گِل سے کام

جاں کی نسبت سے ہے تن میں مستی و ذوق و سرور
جاں کی نسبت سے ہے سارا جسم کا غیب و حضور

جان و تن سے ہے مرکّب اپنی دنیا میں وجود
ایک ان میں بے نمود اور دوسرا ہے با نمود

جان و تن ہم خاکیوں کے جس طرح مرغ و قفس
فکرِ مرّیخی و لیکن ہے یک اندیش اور بس

جب کسی کا اس جہاں میں آتا ہے روزِ فراق
چست اس کو اور بھی کر دیتا ہے سوزِ فراق

جانتا ہے جب قریب آیا ہے اس کا آنِ مرگ
ایک دو دن پیشتر کر دیتا ہے اعلانِ مرگ

لا جرم پروردۂ اندام ان کی جاں نہیں
اس لئے خو کردۂ اندام ان کی جاں نہیں

جذب جاں میں تن کا ہو جانا ہی مرنا ہے یہاں
خود میں دنیا سے چلے آنا ہی مرنا ہے یہاں

برتر وا رفع ہے تیری فکر سے میرا سخن
کیونکہ تیری جاں زمانے میں ہے محکومِ بدن

کھول کر رختِ سفر کچھ دیر ہم ٹھہریں یہاں
حق نے یہ فرصت کسی کو اس سے پہلے دی کہاں"



رصد گاہ سے ایک مریخی انجم شناس کا باہر آنا

ایک مردِ پیر جس کی ریش تھی مانندِ برف
علم و حکمت میں کیے تھے سالہا سال اس نے صرف

تیزبیں و نکتہ رس مانندِ دانایانِ غرب
پیرہن اس کا تھا مثلِ پیرِ ترسایانِ غرب

دیر سال اور قامتِ بالا میں تھا وہ جیسے سرو
چہرہ تابندہ و روشن صورتِ ترکانِ مرو(☆)

بے گماں تھا آشنائے رسم و راہِ ہر طریق
آشکارا اس کی بوجھل آنکھوں سے فکرِ عمیق

جب ہمیں دیکھا تو چہرہ گل کی صورت میں کھل اٹھا
وہ زبانِ طوسی و خیام میں گویا ہوا

"آدمی وہ پیکرِ گل وہ اسیرِ چند وچوں
وہ مقامِ تحت و بالا سے نکل آیا بروں

ہاں، اسی نے خاک کو پرواز بے طیارہ دی
اور جو ثابت تھے ان کو خوئے سیارہ دی"

(☆) مرو = ایک شہر کا نام

فہم و نطق اس کارواں مانندِ جوئے آب تھا
کر دیا گفتار نے اس کی مجھے حیرت زدہ

کیا یہ کوئی خواب ہے میرا کہ ہے افسوں گری
ہے لبوں پر ایک مریخی کے حرفِ فارسی

کہہ رہا تھا "جب محمد مصطفیٰ" کا دور تھا
اک تھا مریخی نہایت خوش خصال و با صفا

اس جہاں بیں کی نظر روئے زمیں پر جب پڑی
دل میں سیرِ خطۂ آدم کی خواہش جاگ اٹھی

طے کیا پروازِ پیہم سے سفر اتنا دراز
جس جگہ پر جا کے اترا وہ تھا صحرائے حجاز

جو کچھ اس نے مشرق و مغرب میں دیکھا، لکھ دیا
خلد سے رنگیں تر اس کا ہے نوشتہ بے بہا

میں نے بھی جا کر وہاں دیکھا ہے ایران و فرنگ
میں نے بھی کر لی ہے سیرِ ملکِ نیل و رودِ گنگ

میں نے دیکھا ہے وہاں امریکہ و جاپان و چیں
کی ہے ان ملکوں میں تحقیقِ فلزآتِ زمیں

(٭) فلزات = دھاتیں

میں زمیں کے روز و شب کے حال سے ہوں باخبر
اس کے شرق و غرب کا کرتا رہا ہوں میں سفر

میری نظروں میں ہیں وہ ہنگامۂ آدم ابھی
وہ ہمارے کام سے ہے گرچہ نا محرم ابھی"

رومی

میں ہوں افلاکی مگر ساتھی مرا ہے خاک سے
مست و سرخوش ہے اگرچہ پی نہیں مے تاک سے

ہے یہ بے پروا سا بندہ، نام اس کا زندہ رود
اس کی مستی کا سبب اس کا تماشائے وجود

ہم تمہارے شہر میں آئے ہیں، خوش ہیں، شاد ہیں
گو جہاں میں ہیں جہاں سے پھر بھی ہم آزاد ہیں

جلوہ ہائے نوبہ نو کی جستجو میں اک دو پل
تو ہمارا ہم سفر ہو کر ہمارے ساتھ چل

حکیم مریخی

آؤ دیکھو یہ نواحِ مرغدینِ برخیا
برخیا، یعنی ابو الآبا ہماری قوم کا

فرز مرز اپنے یہاں کا آمرِ کردار زشت
برخیا کے پاس پہنچاتا بہ ایوانِ بہشت

اور کہا "تو ایسی حالت میں ہے شاداں کس طرح؟
مدتوں سے ہے یہاں محکومِ یزداں کس طرح؟

ایک عالم اور ہے تیرے جہاں سے خوشگوار
جس کے آگے باغِ جنت ایک لمحے کی بہار

وہ جہاں ہے ہر جہاں سے سر بلند و خوب تر
وہ جہاں ہے لا مکاں سے سر بلند و خوب تر

جانتا ہوں میں کہ یزداں کو نہیں اس کی خبر
میں نے دیکھا ہی نہیں کوئی جہاں آزاد تر

کوئی یزداں اس کے کاموں میں نہیں ہوتا دخیل
اس جگہ ہے نے کتاب و نے رسول و جبرئیل

نے طواف و نے سجود اس عالمِ یکتا میں ہے
نے دعا و نے درود اس عالمِ یکتا میں ہے"

برخیا یہ سن کے بولا "اٹھ فسوں پرداز جا
ایسے عالم میں پہنچ کر نقش اپنا ہی بنا"

جب ابو الآبا نے برہم اس کا منصوبہ کیا
حق نے پھر ہم کو عطا اک عالمِ تازہ کیا

آؤ، اب تم سیرِ حق کے اس عطیہ کی کرو
مرغدیں اور اس کے آئین و روش کو دیکھ لو



شہر مرغدین کی سیر

مرغدیں اور وہ عماراتِ حسین و سر بلند
کیا کہوں وہ شہر ہے کتنا عظیم و ارجمند

گفتگو میں ہیں وہاں کے لوگ شیریں مثلِ نوش
خوبرو و نرم خو و خوش سرشت و سادہ پوش

سوچ ان کی بے نیازِ درد و سوزِ اکتساب
فکر ان کی راز دانِ کیمیائے آفتاب

کوئی چاہے سیم و زر تو لیتا ہے وہ نور سے
ہم نمک جیسے لیا کرتے ہیں آبِ شور سے

مقصدِ علم و ہنر ہوتا ہے بہودِ عوام
تولتا زر سے نہیں ہے کوئی ہر گز اپنا کام

اس کے باشندے نہیں آگاہِ دینار و درم
یہ صنم اس ملک میں پاتے نہیں راہِ حرم

ذہن میں دیوِ مشینی کا قدم آیا نہیں
اس کے گردوں پر کبھی کالا دھواں چھایا نہیں

محنتی اور سخت کش دہقاں کا روشن ہے چراغ
دستبردِ وہ خدایاں سے میسر ہے فراغ

اس کی کھیتی میں کبھی پانی پہ ہنگامہ نہیں
اس کی پیداوار میں اغیار کا حصہ نہیں

فوج اور لشکر کا اس عالم میں قصہ ہی نہیں
رزق کشت و خون سے کوئی کماتا ہی نہیں

کر کے خوش آہنگ تحریروں سے تشہیرِ دروغ
گر قلم چاہے اسے حاصل نہیں ہوتا فروغ

نے وہاں بازاروں میں بے کاروں کا شور و خروش
نے گداؤں کی صدائیں ہیں وہاں آزارِ گوش

حکیم مریخی

مرغدیں میں نے کوئی سائل ہے نے محروم ہے
عبدو مولا ہے نہ کوئی حاکم و محکوم ہے

زندہ رود

جانتا ہوں سائل و محروم ہے تقدیرِ حق
عبد و مولا' حاکم و محکوم ہے تقدیرِ حق

خالقِ تقدیر جز حق کوئی ہو سکتا نہیں
ہاتھ میں تدبیر کے تقدیر کا چارہ نہیں

حکیم مریخی

خون ہو جائے گر اک تقدیر سے تیرا جگر
ایسے میں حق سے طلب کر حکمِ تقدیرِ دگر

تو اگر تقدیرِ نو چاہے تو یکسر ہے روا
کیونکہ تقدیراتِ حق کی تو نہیں ہے انتہا

رہ گئے نقدِ خودی کو کر کے گم اہل زمیں
نکتۂ تقدیر ان کی فہم میں آیا نہیں

رمز گو باریک ہے اک حرف میں مضمر ہے وہ
تو اگر ہو جائے دیگر، بے گماں دیگر ہے وہ

خاک اگر بن جائے تو نذرِ ہوا ہو کر رہے
سنگ بن جائے تو ریزہ ریزہ شیشوں کو کرے

تو جو شبنم ہے تری تقدیر ہے افتندگی
تو جو قلزم ہے تری تقدیر ہے پایندگی

تو بناتا رہتا ہے ہر دم وہی لات و منات
ان بتوں سے ڈھونڈتا ہے تو ثبات' اے بے ثبات

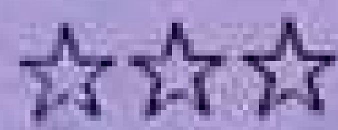
ہے جو اپنے آپ سے بیگانگی ایماں ترا
عالمِ افکار تیرا بن گیا زنداں ترا

رنج ہے بے گنج' اگر تقدیر اسے کہتا ہے تو
گنج ہے بے رنج' اگر تقدیر اسے کہتا ہے تو

گر اسے تو جانتا ہے اصلِ دیں اے بے خبر
اس طرح محتاج ہوتا رہتا ہے محتاج تر

حیف ایسے دیں پہ ہے جو تجھ پہ طاری کر دے نیند
جیسے جیسے وقت گزرے اور گہری کر دے نیند

دیں نہیں یہ' سحر و افسوں اس کو کہنا چاہیے
دیں نہیں یہ' حبِّ افیوں اس کو کہنا چاہیے



جانتا ہے تجھ کو طبعِ نکتہ داں کس سے ملی؟
پیکرِ خاکی میں یہ حورِ جناں کس سے ملی؟

فکر کی قوت حکیموں نے کہاں سے پائی ہے؟
ذکر کی طاقت کلیموں نے کہاں سے پائی ہے؟

کس سے ہے یہ دل اور اس کی حیرت افزا واردات؟
نو بنو اس کے فنون، تازہ بتازہ معجزات؟

گر بنیٔ گفتار جو تو رکھتا ہے تجھ سے نہیں
شعلۂ کردار جو تو رکھتا ہے تجھ سے نہیں

تو اگر سمجھے تو یہ فطرت کا ہے فیضان سب
اور فطرت اس سے ہے جو دو جہانوں کا ہے رب

زندگی کانِ گہر ہے، کیا خبر تجھ کو نہیں
اس کا مالک اور ہے، تو ہے فقط اس کا امیں

ذہنِ روشن مردِ حق کا مایۂ عزت رہا
مقصد اس کی زندگی کا خلق کی خدمت رہا

خلق کی خدمت ہے رسم و مسلکِ پیغمبری
چاہنا خدمت کی اجرت خصلتِ سوداگری

ہیں اسی صورت یہ سارے باد و خاک و ابر و کشت
گلستاں و مرغزار و کاخ و کو و سنگ و خشت

تو سمجھتا ہے کہ یہ سارا ہے سرمایہ ترا
مردِ ناداں، یاد رکھ، ان سب کا مالک ہے خدا

ارضِ حق کو کس طرح اپنی زمیں کہتا ہے تو
تو ہی کہہ دے کیا ہے شرحِ آیۂ لا تفسدو؟

ابنِ آدم نے تو ابلیسی پہ باندھی ہے کمر
اور ابلیسی میں کیا رکھا ہے جز فتنہ و شر

نفع اندوزی امانت میں کوئی کرتا نہیں
اے خوشا وہ ملکِ حق کا خود کو جو سمجھے امیں

تیرے ہاتھ ایسی متاع آئی ہے جو تیری نہیں
ہے ترے طرزِ عمل سے دل مرا اندوہگیں

صاحبِ شے گر ہے تو اس پر ہے زیبا اختیار
گر نہیں ہے، تو بتا کیونکر ہے زیبا اختیار

ملکِ یزداں کو تو یزداں کے حوالے گر کرے
اپنی مشکل دور کرنے کی مہم کو سر کرے

زیرِ گردوں فقر و مسکینی کا کیوں آیا وبال
جو خدا کا ہے سمجھ رکھا ہے تو نے اپنا مال

آب و گِل سے باہر آنے کا نہیں جس کو شعور
اپنے پتھر سے کیا خود اپنا سینہ چور چور

اے کہ تو واقف نہیں ہے کیا ہے منزل کیا ہے راہ
قیمتِ ہر شے تعیّن کرتی ہے طرزِ نگاہ

جب تلک گوہر ترا سرمایہ ہے گوہر ہے وہ
ورنہ اک کنکر ہے وہ، کوڑی سے بھی کمتر ہے وہ

تو جو اندازِ نگہ بدلے بدل جائے جہاں
پھر زمیں ہے اور تیری اور تیرا آسماں



مریخ کی دوشیزہ کے احوال جس نے رسالت کا دعویٰ کیا

دیکھ کر ہم محوِ حیرت تھے ہزاروں کو وکاخ
شہر کے آخر میں آیا ایک میدانِ فراخ

اس کے اندر ہم نے دیکھا اک ہجومِ مرد و زن
درمیاں تھی ایک زن' قامت میں جیسے نارون

چہرہ تو روشن تھا اس کا دل مگر بے نورِ جاں
اس کے معنی و مراد اس کے بیاں پر تھے گراں

حرف میں آتش نہ تھی آنکھوں میں اس کے نم نہ تھا
دل سرورِ آرزو کا واقف و محرم نہ تھا

بے خبر جوشِ جوانی سے بھی اس کا سینہ تھا
اس کا یکسر کور و صورت نا پذیر آئینہ تھا

عشق سے اور عشق کے آئیں سے تھی نا آشنا
اک ممولہ عشق کے شاہیں نے جس کو رد کیا

ہم سے اب اس مرحلے پر وہ حکیمِ نکتہ بیں
بولا "ہم مریخیوں میں سے یہ دوشیزہ نہیں

سادہ و آزاد، بے پروا ر یا و رنگ سے
فرز مرز اس کو اٹھا کر لایا ہے افرنگ سے

پہلے تو کار نبوت میں کیا پختہ اسے
اس کے بعد اس عالمِ مریخ میں بھیجا اسے

اس نے آتے ہی کہا "گردوں سے آئی ہوں یہاں
میری دعوت ہے جہاں میں دعوتِ آخر زماں"

ہے مقامِ مرد و زن کے باب میں اس کا سخن
بے محاباً فاش تر کہتی ہے اسرارِ بدن

زیست کے بارے میں کیا کہتی ہے وہ نکتہ طراز
میں سناتا ہوں تمہاری ہی زبان میں اس کا وعظ

نبیئہ مریخ کا وعظ

"اے زناں! اے مادراں! اے خواہراں! اے دختراں
زندگی کب تک گزارو گی مثالِ دلبراں!

دلبری ہے نام جس کا اصل میں مظلومی ہے
سچ تو یہ ہے دلبری محکومی ہے محرومی ہے

شانہ و غازہ سے کر کے زلف و عارض کا سنگار
جانتے ہیں کر لیا ہے ہم نے مردوں کو شکار

مرد تیرا صید بنتا ہے کہ صیادی کرے
گھومتا ہے گرد تیرے تاکہ بربادی کرے

خود گدازی' زاری و نالہ ہے سب مکر و فریب
درد و داغ و آرزو اس کا ہے سب مکر و فریب

گرچہ وہ کافر بناتا ہے تجھے اپنا حرم
اصل میں کرتا ہے لیکن مبتلائے درد و غم

دوستی و ہم نشینی اس کی آزارِ حیات
وصل اس کا زہر ہے اور اس کی فرقت ہے نبات

مارِ پیچاں ہے رہو تم اس کے پیچ و خم سے دور
اپنے خوں کو ہر طرح سے رکھو اس کے سم سے دور

زرد بے غایت امومت سے ہے روئے مادراں
اس سے تو ہے خوب تر آزادئ بے شوہراں



مجھ پہ ہوتی ہے جو نازل وحیِ یزداں پے بہ پے
کرتی رہتی ہے فزوں تر ذوقِ ایماں پے بہ پے

وہ زمانہ آیا ہے اعجازِ فن سے بالیقیں
دیکھ سکتے ہیں ہم اپنے جسم کے اندر جنین

حاصل اپنی زندگانی کا تمہارے بس میں ہے
بیٹی یا بیٹا جنم دینا تمہارے بس میں ہے

تم اگر دیکھو جنیں حسبِ مرادِ دل نہیں
بے محابا قتل کر دینا ہے اس کو عینِ دیں

آگے آنے والے ہیں عالم میں اعصار اور بھی
آشکارا ہونے کو ہیں کتنے اسرار اور بھی

پھر جنیں کی پرورش ہوگی باندازِ دگر
بے شبِ ارحام وہ پائے گی تنویرِ سحر

آخرش ناپید ہوگا وہ سراپا اہرمن
مر گئے جس طرح حیواناتِ ایامِ کہن

خاک سے لالہ اگا بے داغ و بادامانِ پاک
بے نیازِ شبنم اس کی ہے نمودِ تابناک

خود بخود ہوتے ہیں ظاہر دہر میں اسرارِ زیست
آپ بے مضراب نغمہ چھیڑتا ہے تارِ زیست

اے صدف، تو اپنے اندر قطرۂ نیساں نہ لے
زیرِ دریا پیاس سے مر جا مگر احساں نہ لے

اٹھ کے فطرت کے خلاف اک بار ہو گرمِ ستیز
تاکہ ہو آزاد دیرینہ غلامی سے کنیز

ربطِ دو تن سے رہا ہو جانا ہے توحید زن
آپ اپنی ہو نگہدار اور مردوں پر نہ تن!"

رومی

مذہبِ عصرِ نو آئیں کا تماشا دیکھ لے
حاصلِ تہذیبِ لادیں کا تماشا دیکھ لے

زندگانی کی شریعت اور آئیں عشق ہے
اصلِ تہذیب و تمدن دیں ہے اور دیں عشق ہے

عشق کے ظاہر کا منظر سوزناک و آتشیں
عشق کے باطن کا عالم نورِ ربّ العالمیں

علم و فن اس کے تب و تابِ دروں کی دین ہے
علم و فن اس کے جنونِ ذو فنون کی دین ہے

دیں کبھی محکم نہیں ہوتا ہے بے آدابِ عشق
اختیار اس کے لئے کر صحبتِ اربابِ عشق



فلکِ مشتری

حلاج، غالب اور قرۃ العین طاہرہ کی
ارواحِ جلیلہ جنہوں نے بہشت میں رہنے
کی بجائے گردشِ جاوداں کو پسند کیا

اس سکوں، نا آشنا دیوانہ دل پر میں فدا
ہر زماں مجھ کو عطا کرتا ہے ویرانہ نیا

حلاج، غالب اور قرۃ العین طاہرہ کی ارواحِ جلیلہ جنہوں نے بہشت میں رہنے کی بجائے گردشِ جاوداں کو پسند کیا

اس سکوں نا آشنا دیوانہ دل پر میں فدا
ہر زماں مجھ کو عطا کرتا ہے ویرانہ نیا

جب ذرا ٹھہروں تو کہتا ہے کہ اٹھ، چل تیز تیز
مردِ خود رس جانتا ہے بحر کو مثلِ قفیز(*)

ہیں خدا کی آیتیں لا انتہا و بے کراں
اے مسافر، پھر ہے تیری راہ کا پایاں کہاں

کارِ حکمت آگہی فرسودہ ہونے کا ہے نام
کارِ عرفاں آگہی افزودہ ہونے کا ہے نام

اُس کے رتبہ کے تعین کا ہے پیمانہ ہنر
اِس کے رتبہ کا تعین کا ہے پیمانہ نظر

کام رکھتی ہے وہ آب و خاک کی تسخیر سے
کام رکھتا ہے یہ جانِ پاک کی تسخیر سے

(*) قفیز = تالاب یعنی معمولی چیز

دور سے حاصل تجلی کا اسے نظارہ ہے
یہ تجلی کو مگر جذب اپنے اندر کرتا ہے

☆☆☆

تھی جو مجھ کو جستجوئے جلوہ ہائے پے بہ پے
طے کیا افلاک کو نالہ کناں مانندِ نے

تھا یہ سب کچھ فیضِ رومی، مردِ پاکیزہ نہاد
وہ کہ جس کی تاب و تب سے میری جاں ہے بامراد

اب سفر کرتے ہوئے ہم دونوں کا یہ کارواں
مشتری کا تھا کنارہ آن کر اترا جہاں

وہ جہاں کیا تھا ہنوز اک خاکدانِ ناتمام
تھے کئی چاند اس کے طائف تابناک و تیزگام

بادہ ہائے تاک سے بیگانہ تھا مینا ہنوز
آرزو بھی خاک سے اس کی تھی نا رُستہ ہنوز

نیم شب تھی تابِ ماہاں سے مثالِ نیم روز
نے برودت کا اثر اس کی ہوا میں تھا نہ سوز

میں نے جس وقت آسماں کی سمت کی اپنی نظر
اس کا کوکب مجھ کو دکھلائی دیا نزدیک تر

ہیبتِ نظّارہ سے میرے اڑے ہوش و شعور
ہو گئے یکسر دگر گوں دیر و زود و نزد و دور

میں نے دیکھیں اپنے آگے تین روحیں پاکباز
جن کے سینوں میں فروزاں آتشِ گیتی گداز

کر رکھا تھا سرخ پیراہن انھوں نے زیبِ تن
ان کے دل کا سوز چہروں پر تھا ان کے ضو فگن

یہ تب و تاب ان کی تھی مرہونِ ہنگامِ الست
وہ تھے اپنے نغمۂ رندانہ سے سرشار و مست

پیر رومی نے کہا مجھ سے کہ "یوں بے خود نہ ہو
دم سے ان آتش نوایانِ کہن کے زندہ ہو

شوقِ بے پروا نہیں دیکھا ہے تو نے دیکھ لے
زور اس مے کا نہیں دیکھا ہے تو نے دیکھ لے

غالب و حلاج ہیں یہ اور یہ ہیں طاہرہ
شور انھوں نے اک بپا جانِ حرم میں کر دیا

ان کے نغموں سے ہماری روح پاتی ہے ثبات
ان کی گرمی کا ہے سرچشمہ ضمیرِ کائنات"

☆☆☆

نوائے حلاج

طلب اپنی مٹی سے اس آگ کو کر کہ پیدا نہیں ہے
تقاضا کسی دوسرے کی تجلی کا زیبا نہیں ہے

نظر خود پہ ہے، گرچہ ہر سمت دنیا میں ہے جلوۂ دوست
مگر دیکھنے کو مرے پاس فرصت کا لمحہ نہیں ہے

نظیری(٭) کا یہ مصرع دے کر نہ لوں ملکِ جمشید کو میں
"جو کُشتہ نہیں ہے ہمارے قبیلہ کا بندہ نہیں ہے"

اگر حیلہ جو عقل نے ایک لشکر سے یلغار کی ہے
تو یوں دل گرفتہ و غمگیں نہ ہو، عشق تنہا نہیں ہے

تجھے اپنی منزل سے نے راہ سے آگہی ہے وگرنہ
نوا کون سی ہے جو سازِ سلیمیٰ نے چھیڑا نہیں ہے

نہنگوں کو نخچیر و پابند کرنے کے قصے بیاں کر
کبھی یہ نہ کہہ میری زورق شناسائے دریا نہیں ہے

مرید ایسے رہرو کی ہمت کا ہوں میں، کبھی جو نہ جائے
ادھر جس طرف کوئی کوہ و بیابان و دریا نہیں ہے

(٭) نظیری = فارسی کا مشہور شاعر

کبھی تو بھی بادہ گساروں کے حلقہ میں آکر ہو شامل
خدرا ایسے مرشد کی بیعت سے جو مردِ غوغا نہیں ہے

نوائے غالب

اٹھو بگردشِ جام آسماں کو لوٹا دیں
یہ لامکاں کا لکھا لا مکاں کو لوٹا دیں

ڈریں نہ شہر کے حاکم کی گیر و دار سے ہم
ملے جو شاہ سے اس ارمغاں کو لوٹا دیں

کلیم چاہے اگر ہم سخن نہ ہوں اس سے
خلیل آئے اگر' میہماں کو لوٹا دیں

تہی سبد چمنستان کے در سے بے خدشہ
جہاں سے آئیں لٹیرے وہاں کو لوٹا دیں

بصلح بال فشانانِ صبح گاہی کو
شجر کی ڈالیوں سے آشیاں کو لوٹا دیں

نہ ہوگا باعثِ حیرت کہ حیدری ہیں ہم
گر آفتاب کا رخ خاوراں کو لوٹا دیں

☆☆☆

نوائے طاہرہ

تو ہو جو میرے سامنے چہرہ بہ چہرہ روبرو
شرحِ غم و الم کروں نکتہ بہ نکتہ موبمو

دیکھ لوں تیرے چہرے کو مثلِ صبا میں پھرتی ہوں
خانہ بہ خانہ، در بدر، کوچہ بہ کوچہ، کوبکو

دل مرا ہجر میں ترے خون کے آنسو روتا ہے
دجلہ بہ دجلہ، یم بہ یم، چشمہ بہ چشمہ، جوجو

میری قماشِ جاں پہ دل نے ترا عشق بُن دیا
رشتہ بہ رشتہ، نخ بہ نخ، تار بہ تار، پو بہ پو

دل میں کسی کو طاہرہ نے نہیں دیکھا جز ترے
صفحہ بہ صفحہ، لا بہ لا، پردہ بہ پردہ، تو بہ تو

☆☆☆

دردمندوں کی نوا نے حال کیا میرا کیا
دل میں برپا ایک تازہ شور و ہنگامہ کیا

اب پرانی مشکلوں نے سر اٹھایا ذہن میں
اور تخیل پر مرے شبخون مارا ذہن میں

(☆) نخ = دھاگا (☆) پو = بانا (☆) تو = تہ (☆) لا = پرت

فکر کا قلزم بنا میرا سراپا اضطراب
ہو گیا اس کا کنارہ زورِ طوفاں سے خراب

مجھ سے رومی نے کہا "یہ وقت ہے، غافل نہ رہ
چاہتا ہے تو اگر اب کھول مشکل کی گرہ

تابکے افکار میں اپنے رہے گا یوں اسیر
اس قیامت کو نکال اس وقت بیرونِ ضمیر"



زندہ رود ارواح بزرگ کے سامنے اپنی مشکلات پیش کرتا ہے

زندہ رود

یہ مقامِ موناں سے آپ کی دوری ہے کیوں؟
یعنی جنت کے چمن زاروں سے مہجوری ہے کیوں؟

حلاج

مردِ آزاد' آشنائے خوب و زشتِ دو جہاں
روح اس کی خلد کے اندر سماتی ہے کہاں

جنّت ملا شراب و ساغر و حور و غلام
جنتِ آزادگاں ہے سیر و تسخیرِ دوام

جنتِ ملا ہے آرام و خور و خواب و سرود
جنتِ عاشق ہے ہر لحظہ تماشائے وجود

حشرِ ملا زلزلہ و شقِّ قبر و بانگِ صور
عشقِ شور انگیز لیکن آپ ہے صبحِ نشور

علم کے سرمایہ کی بیم و رجا پر ہے اساس
سینۂ عشاق میں ہے نے امید و نے ہراس

علم کو ہر دم ڈراتا ہے جلالِ کائنات
عشق رہتا ہے مگر غرقِ جمالِ کائنات

علم اپنے رفتہ و حاضر پہ رکھتا ہے نظر
عشق کہتا ہے اسے دیکھ آئے جو پیشِ نظر

علم نے تسلیم کر رکھا ہے جب آئینِ جبر
چارہ اب اس کے لئے کیا ہے سوائے جبر و صبر

عشق آزاد و غیور و ناشکیب و ناصبور
اور موجودات کا نظارہ کرنے میں جسور

عشق اپنا شکوہ و فریاد سے بیگانہ ہے
گرچہ اس کا گریہ یکسر گریۂ مستانہ ہے

راہِ آزادی میں ہم پابندی کے قائل نہیں
اپنا دل تیرِ نگاہِ حور کا گھائل نہیں

آتشِ شوق اور بھڑکا کر دکھاتا ہے فراق
راس کس درجہ ہماری جاں کو آتا ہے فراق

بے خلش گر زندگی ہے تو ہے وہ کیا زندگی
رہنا ہر عالم میں ہے آتش تہِ پا زندگی

دہر میں اس طرح سے جینا ہے تقدیرِ خودی
ایسی ہی تقدیر سے ہوتی ہے تعمیرِ خودی

ذرّہ بن جاتا ہے شوقِ بے کراں سے رشکِ مہر
اپنے اندر جذب کر لیتا ہے پھر وہ نُہ سپہر

شوق کے شبخون کی زد میں جب آتا ہے جہاں
آنی و فانی کو ملتی ہے حیاتِ جاوداں

زندہ رود

گردشِ تقدیر ہی سے ہے یہ مرگ و زندگی
گردشِ تقدیر کیا ہے؟ میں نہیں واقف ابھی

حلاج

ہر کوئی تقدیر سے جو ساز و ساماں رکھتا ہے
مرگ اور ابلیس کو ترساں و لرزاں رکھتا ہے

جبر تو ہے حوصلہ اور عزم والوں کا طریق
جبر تو ہے اہلِ ہمت' باکمالوں کا طریق

مرد اگر پختہ ہے اس کو پختہ تر کرتا ہے جبر
جبر لیکن خام مردوں کے لئے آغوشِ قبر

اک جہاں کو جبرِ خالدؓ نے کیا زیر و زبر
پر ہمارے جبر نے ہم کو کیا بے برگ و بر

کام مردوں کا زمانے میں ہے تسلیم و رضا
راست آتی ہی نہیں پیروں کے تن پر یہ قبا

واقفیت ہے تجھے کیا ہے مقامِ پیرِ روم
کیا نہیں تو نے پڑھا ہے یہ کلامِ پیرِ روم

"جس زمانے میں تھے سلطان المشائخ بایزید
اک مجوسی سے لگا کہنے مسلمانِ سعید

"تو جو ایماں لائے تو لاریب آئے تیرے ہاتھ
سروری اپنے لئے گر چاہتا ہے اور نجات"

سن کے وہ برجستہ بولا "سچ تو یہ ہے اے مرید
گر اسے کہتے ہیں ایماں، رکھتے ہیں جو بایزید

وہ میری طاقت مری تاب و تواں سے ہے پروں
میری جاں کی انتہائے سعی و کاوش سے فزوں"

ہم تو رہتے ہیں امید و بیم کے خلجان میں
ہمتِ تسلیم کب ہوتی ہے ہر انسان میں

کوئی جو اس طرح کہتا ہے "یہ ہونا تھا ہوا
کام ہیں پابندِ آئیں اس لئے ایسا ہوا"

ہے خودی سے اور خدائے پاک سے ناآشنا
معنیٔ تقدیر کے ادراک سے ناآشنا

بندۂ مومن خدا سے رکھتا ہے راز و نیاز
کہتا ہے وہ "باتو ما سازیم تو با ما بساز"

عزم بن جاتا ہے اس کا خالقِ تقدیرِ حق
جنگ کے دن تیر ہے اس کی کماں کا تیرِ حق

زندہ رود

فتنہ و شر کم نگاہوں نے بہت برپا کیا
بندۂ حق کو انہوں نے دار پر لٹکا دیا

دیکھتی ہے جو نہاں ہے اس کو بھی تیری نگاہ
مجھ کو بھی آگاہ کر آخر ترا کیا تھا گناہ؟

حلاج

میرے اپنے سینے کے اندر نہاں تھی بانگِ صور
میں نے دیکھا میری ملت نے کیا ہے قصدِ گور

تھے وہ مومن لیکن اپنی وضع میں کافر تھے وہ
لا الٰہ کہتے تھے اپنے آپ کے منکر تھے وہ

جانتے تھے "امرِ حق" کی آب و گل سے ہے نمود
کہتے تھے جز نقشِ باطل کچھ نہیں اس کا وجود

کی فروزاں میں نے اپنے آپ میں نارِ حیات
اور افشا کر دیے مُردوں پہ اسرارِ حیات

میں نے بتلایا خودی پر ہے اساسِ کائنات
دلربائی کی ادا ہے اس میں قہاری کے ساتھ

ہر جگہ پر ہے خودی ظاہر کہیں پنہاں کہیں
پر ہماری آنکھ اس کی تاب لاتی ہی نہیں

آگ کس کس طرح کی ہے نور میں اس کے نہاں
جلوہ ہائے نو بہ نو ہیں طور سے اس کے عیاں

ہر دم اس دیرِ کہن میں ہے یہ ہر دل کا چلن
وہ خودی سے رہتا ہے در پردہ سرگرمِ سخن

جس کسی نے اس کی آتش سے نہیں حصہ لیا
وہ جہاں میں آپ سے بیگانہ رہ کر ہی مرا

ہند و ایراں نور سے اس کے تو واقف ہیں مگر
کون ہے جو اس کی آتش کی بھی رکھتا ہے خبر؟

اس کے نور و نار دونوں سے مجھے ہے آگہی
بندۂ آگاہ ہوں میں' ہے خطا میری یہی

جو کیا تھا میں نے اب تو بھی وہی کرتا ہے ڈر
ایک محشر تو بھی مُردوں کے لئے لایا ہے ڈر

طاہرہ

جب گنہ کرتا ہے کوئی بندۂ صاحب جنوں
غیب سے اک کائناتِ تازہ آتی ہے بروں

شوق اس کا سارے پردے پارہ پارہ کرتا ہے
کبھی کو وہ فنا کے گھاٹ اتارا کرتا ہے

بے خطر دار و رسن کو آخر اپناتا ہے وہ
زندہ کوئے یار سے واپس نہیں آتا ہے وہ

اس کے جلوے دیکھ شہر و دشت میں ہیں وانما
تو نہ ہرگز کر گماں دنیا سے وہ رخصت ہوا

وہ ضمیرِ عصر خود میں مضمر و پوشیدہ ہے
جانے اس خلوت کے اندر کس طرح گنجیدہ ہے

زندہ رود

اے کہ دردِ جستجو تجھ کو عطا حق نے کیا
اپنے اس اک شعر کے معنی ذرا مجھ کو بتا

"قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے؟"

غالب

اس جہاں میں نالہ جو سوزِ جگر سے اٹھتا ہے
ہر جگہ میں نے جدا اس کے اثر کو دیکھا ہے

قمری تو تاثیر سے اس کی ہوئی وا سوختہ
اور بلبلِ کو ملا ہے رنگوں کا اندوختہ

اس کے اندر مرگ ہوتا ہے بآغوشِ حیات
اک نفس ہے پر وہی اِس جا حیات اس جا ممات

اس طرح کا رنگ ہے وہ جس سے ارژنگی بھی ہے
اس طرح کا رنگ ہے وہ جس سے بے رنگی بھی ہے

جانتا کیا تو نہیں یہ ہے مقامِ رنگ و بو
ہر کسی کو فیض ملتا ہے بقدرِ ہا و ہو

زندگی یا رنگ سے کر یا کہ بے رنگی سے کر
تاکہ یوں سوزِ جگر کے ہو نشاں سے بہرہ ور

زندہ رود

اپنے اندر سو جہاں رکھتی ہے یہ نیلی فضا
ہر جہاں کے اپنے ہیں کیا اولیاء و انبیاء

غالب

غور سے تو دیکھ کیا ہے صورتِ بود و نبود
ہر زماں ہر دم جہانِ تازہ پاتے ہیں وجود

ہر کہیں ہنگامۂ عالم ہوا برپا جہاں
ہے جا اک رحمتہ اللعالمیں بھی ہے وہاں

زندہ رود

فاش تر کہہ کیونکہ میری فہم ابھی ہے نارسا

غالب

جانتا ہوں اس سخن کو فاش تر کہنا خطا

زندہ رود

اہلِ دل کی گفتگو کا کیا یہی انجام ہے؟

غالب

لب پہ اس نکتہ کو لانا ایک مشکل کام ہے

زندہ رود

تو سراپا آگ ہے سوزِ طلب سے بالیقیں
محوِ حیرت ہوں سخن پر تو مگر غالب نہیں

غالب

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا کی بات ہے
رحمتہ اللعالمینی انتہا کی بات ہے

زندہ رود

چہرۂ معنی ابھی دیکھا نہیں میں نے، دکھا
آگ اگر رکھتا ہے تو اس آگ میں مجھ کو جلا

غالب

اے کہ ہے میری طرح بینندۂ اسرارِ شعر
اس سخن کو چھیڑ سکتا ہی نہیں ہے تارِ شعر

شاعروں نے گو سخن کی محفلیں ترتیب دیں
ان کلیموں کے نصیبے میں یدِ بیضا نہیں

جس کی خواہش مجھ سے تو رکھتا ہے وہ ہے کافری
کافری ایسی کہ جو ہے ماورائے شاعری

حلاج

تو جہاں بھی دیکھتا ہے اک جہانِ رنگ و بو
وہ جہاں مٹی سے جس کی پھوٹتی ہے آرزو

یا ہے نورِ مصطفیٰؐ سے اس کی قدر اس کی بہا
یا ابھی وہ کر رہا ہے جستجوئے مصطفیٰؐ

زندہ رود

پوچھتا ہوں گرچہ اس کا پوچھنا بھی ہے خطا
راز اس جو ہر کا جس نے نام پایا مصطفیٰؐ

وہ ہے آدم یا کہ جوہر جس نے پایا ہے وجود
جس کی گاہے گاہے ہوتی ہے زمانہ میں نمود

حلاج

وہ کہ جن کے آگے عالم سر جھکا کر آیا ہے
آپ اپنے کو انہوں نے عبدہ' فرمایا ہے

سچ تو یہ ہے عبدہ' آدم بھی ہے جوہر بھی ہے
اس لئے ادراک سے تیرے وہ بالاتر بھی ہے

ایسا جوہر نے عرب ہے اور نے اعجم ہے وہ
ایسا آدم ہے کہ آدم سے کہیں اقدم ہے وہ

عبدہ' لاریب ہے صورت گرِ تقدیر بھی
اس کے اندر ہے نہاں ویرانہ بھی تعمیر بھی

جاں فزا بھی عبدہ' ہے جاں ستاں بھی عبدہ'
عبدہ' شیشہ بھی ہے سنگِ گراں بھی عبدہ'

عبد ہے چیزے دگر اور عبدہ' چیزے دگر
ہم سراپا انتظار اور عبدہ' ہے منتظر

عبدہ' سے ہے زمانہ اور زمانہ عبدہ'
ہم تو رنگوں میں رنگے ہیں اور وہ بے رنگ و بو

عبدہ' کی ابتداء ہے انتہا کوئی نہیں
جس طرح کی ہے ہماری صبح و شام' اس کی نہیں

کوئی سرِّ عبدہ' سے واقف و آگاہ نہیں
اتنا کہہ دوں عبدہ' جز سرِّ اِلاَّ اَللّٰہ نہیں

لا الٰہ شمشیر ہے تو اس کا ہے دم عبدہ'
فاش تر یہ ہے اگر ہو کو کہیں ہم عبدہ'

عبدہ' ہے بے گماں چند و چگونِ کائنات
عبدہ' لاریب ہے رازِ درونِ کائنات

مدعا کو منکشف کرتی نہیں ہے یہ دو بیت
جب تلک سمجھے نہ تو کیا ہے مقامِ "مارمیت" (٭)

ترک کر اب اس طرح کی گفتگو اے زندہ رود
ہاں' وجودِ حق کے اندر غرق ہوا اے زندہ رود

زندہ رود

عشق کیا ہے؟ کام اس کا؟ کام کا معیار کیا؟
ذوقِ دیدار اس کو گر کہئے تو ہے دیدار کیا؟

(٭) آیہ شریفہ (جب آپ نے کنکریاں پھینکیں تو آپ نے نہیں ہم نے پھینکی تھیں)

حلاج

معنیٔ دیدارِ آں پیغمبرِ آخر زماں
اپنے اوپر ان کی تعلیمات کو کرنا رواں

اس طرح دنیا میں رہ جیسے رسولِ انس و جاں
تاکہ تو بھی ان کی صورت ہو قبولِ انس و جاں

دیکھ پھر خود کو یہی محبوب کا دیدار ہے
ان کی سنّت در حقیقت سرّے از اسرار ہے

زندہ رود

یہ بتا دے کیا ہے دیدارِ خدائے نُہ سپہر
حکم بن جس کے نہیں کرتے ہیں گردش ماہ و مہر

حلاج

نقشِ حق کو سب سے پہلے اپنی جاں پر ثبت کر
بے محابا پھر اسے سارے جہاں پر ثبت کر

بہرہ مند اس نقشِ جاں سے جب ہو یہ عالم تمام
ایسے میں دیدارِ حق ہو جاتا ہے دیدارِ عام

اے خنک وہ مرد جس کی ایک ھو سے آسماں
کرتے ہیں پیہم طواف اس کی گلی کا بے تکاں

حیف اس درویش پر جس نے کیا تخلیق ھو
لیکن اپنی سانس روکی، بند رکھا ہونٹ کو

اس نے حکمِ حق کو عالم میں کیا جاری نہیں
جو کی روٹی کھائی لیکن کی ہے کراری نہیں

معرکہ خیبر کا چھوڑا، ڈھونڈلی ہے خانقاہ
بادشاہی کو نہ دیکھا، راہبی میں لی پناہ

نقشِ حق رکھتا ہے تو نخچیر تیرا ہے جہاں
ہے تری تدبیر کی تقدیر ہر دم ہم عناں

عصرِ حاضر نے تجھے للکارا ہے، غفلت نہ کر
نقشِ حق کو ثبت اس کافر کی لوحِ جاں پہ کر

زندہ رود

نقشِ حق سے اک تغیر دہر میں برپا کیا
میں نہیں یہ جانتا ہوں کس طرح ایسا کیا

حلاج

نقشِ حق کو دلبری کے زور سے قائم کیا
یا پھر اس کو قاہری کے زور سے قائم کیا

روشن و تابندہ تر ہے حق کی شانِ دلبری
اس لئے ٹھہری ہے برتر قاہری سے دلبری

زندہ رود

بے خبر ہوں میں ابھی اے صاحبِ اسرارِ شرق
یہ بتا دے زاہد اور عاشق میں کیا ہوتا ہے فرق؟

حلاج

زاہدِ پرہیزگار اپنے جہاں میں اجنبی
رہ نوردِ عشق ہے باغِ جناں میں اجنبی

زندہ رود

معرفت کی انتہا نابود ہو جانا ہے کیا؟
زندگی بحرِ فنا میں جا کے کھو جانا ہے کیا؟

حلاج

مستیٔ یاراں کا باعث ہے تہی پیمانگی
نیستی ہے معرفت کے معنی سے بیگانگی

کیسے ممکن ہے فنا میں ڈھونڈنا مقصود کو
کس طرح آخر عدم پا سکتا ہے موجود کو

زندہ رود

جس نے آدم سے بھی افضل ہونے کا دعویٰ کیا
اس کے جام و خُم میں اب کچھ بھی نہیں باقی رہا

اپنی مشتِ خاک تو ہے آشنائے آسماں
اس غریب و بے سر و ساماں کی آتش ہے کہاں؟

حلاج

چھیڑتا ہے کیا تو ذکرِ خواجۂ اہلِ فراق
جو ازل کے دن سے ہے تشنہ لب و خونیں ایاق

---

(۱۶) پیالہ = جام

ہم نہیں وہ جانتا ہے کیا بقا ہے کیا فنا
ہم پر اس کے کفر نے اس راز کو افشا کیا

کھا کے ٹھوکر گرنے سے اٹھنے کی لذّت ملتی ہے
دردِ کاہش سے یوں ہی بڑھنے کی عشرت ملتی ہے

عاشقی یہ ہے کہ اس کی آگ میں جلتا رہے
آگ ہی ناپید ہو تو کون اسے جلنا کہے

عشق اور خدمات میں اقدم ہے وہ، آدم نہیں
جن کا وہ ہے آدم ان اسرار کا محرم نہیں

چاک کر دے بے تامل پیرہن تقلید کا
تاکہ تو بھی رازداں ہو نکتۂ توحید کا

زندہ رود

اے کہ ہے اقلیم جان و تن تیرے زیرِ نگیں
ایک دو پل اور ہمارے ساتھ رہ صحبت گزیں

حلاج

سازگار آتا نہیں ہم کو کسی جا پر قیام
زندگی اپنے لئے ذوقِ سفر ہی کا ہے نام

ہر زماں نظارہ کرنے اور تڑپنے سے ہے کام
بے پر و بال اڑتے رہتے ہیں فضاؤں میں مدام



خواجۂ اہلِ فراق ابلیس کا نمودار ہونا

صحبت ان روشن دلوں کے ساتھ دو لمحے رہی
بن گئے لیکن یہ دو لمحے متاعِ زندگی

عشق کو شوریدہ تر کر کے یہ دو لمحے گئے
عقل کو صاحب نظر کر کے یہ دو لمحے گئے

بند کیں آنکھیں کہ ان لمحوں کو حرزِ جاں کروں
ان کو سینے میں بسا کر مشکلیں آساں کروں

ناگہاں دیکھا کہ اک گہرا اندھیرا چھا گیا
ہر طرف عالم مکاں تالا مکاں تاریک تھا

ایک شعلہ ظاہر اس شب کے اندھیرے سے ہوا
پھر نمودار ایک مردِ پیر شعلے سے ہوا

اک قبائے سرمئی پر مشتمل تھا پیرہن
اور غرق اس کا تھا سارا دودِ پیچاں میں بدن

پیرِ رومی نے بتایا یہ ہے وہ خونیں ایاق(٭)
وہ سراپا سوز و کلفت خواجۂ اہلِ فراق

☆☆☆

(٭) ایق = ایاغ = پیالہ

سالخوردہ، کم سخن، کم خندہ و باریک بیں
تن کے اندر جاں بھی اس کی آنکھ سے پنہاں نہیں

رند و ملّا و حکیم و نکتہ داں و خرقہ پوش
ہے عمل میں وہ مثالِ زاہدانِ سخت کوش

اس کی فطرت رہ گئی بیگانۂ ذوقِ جمال
زہد اس کا ہے فقط ترکِ جمالِ لا یزال

رشتہ حسنِ ایزدی سے توڑنا آساں نہ تھا
اس نے اس مشکل کا چارہ ترکِ سجدہ سے کیا

اس پہ جو گزری ہے دیکھ، اس کی عزیمت کو بھی دیکھ
دیکھ اس کی مشکلوں کو، استقامت کو بھی دیکھ

چار سو میں ہے وہ غرقِ رزمِ خیر و شر ہنوز
اس نے دیکھے کتنے پیغمبر مگر کافر ہنوز

☆☆☆☆

اب جو اس کے لب پر اک آہِ غم آلود آگئی
میری جاں کو تن کے اندر بے طرح تڑپا گئی

نیم وا آنکھوں سے اس نے مجھ کو دیکھا اور کہا
کون اپنے کام میں ثابت قدم مجھ سا رہا

منہمک کاموں میں اپنے اس قدر رہتا ہوں میں
فرصتِ آدینہ سے بھی بے خبر رہتا ہوں میں

کوئی میرے پاس افرشتہ نہ چاکر نے غلام
ہر کہیں بے منتِ پیغمبر اپنا ہے پیام

نے احادیث و کتاب و نے تفاسیر و متن
جانِ شیریں سے فقیہوں کا کیا عاری بدن

کاٹ دی گو تھی بہت مضبوط رسّی دین کی
اینٹ سے اینٹ ان فقیہوں نے جا دی دین کی

میرے مسلک میں کہاں اس قسم کی تاسیس ہے
پاک فرقہ بندیوں سے مذہبِ ابلیس ہے

ناشنا سا تو ہے میں نے کیوں نہیں سجدہ کیا
سازِ خیر و شر میں پیدا اس طرح نغمہ کیا

میں وجودِ حق کا منکر تو نہیں اے بے خبر
میرا باطن دیکھ ظاہر سے نظر کو پھیر کر

ابلہی ہے گر میں یہ کہہ دوں وجود اس کا نہیں
دیکھنے کے بعد انکار اس کا ہو سکتا نہیں

میرا جو اقرار ہے در پردۂ انکار ہے
میری ناگفتہ سے خوشتر یہ مری گفتار ہے

آدمِ خاکی کے درد و غم سے میں آگاہ تھا
اس کی ہمدردی میں قہرِ یار اپنے سر لیا

وانما کرنے لگی شعلے جو میری کشتِ زار
اس سے آدم نے کہ تھا مجبور' پایا اختیار

زشتئ فطرت کو اپنی آشکارا تر کیا
لذتِ ترک و طلب سے تجھ کو بہرہ ور کیا

چاہتا ہوں مجھ کو اس آتش سے بیروں لائے تو
چاہتا ہوں میری مشکل کی گرہ سلجھائے تو

اے کہ تو آپ آ کے میرے بند میں افتادہ ہے
مجھ کو عصیاں کی اجازت دی ہے' خود درماندہ ہے

عرصۂ آفاق میں با ہمتِ مردانہ رہ
اے مرے غمخوار! مجھ سے دور رہ' بیگانہ رہا

میرے نیش و نوش سے تو بے نیازانہ گزر
میرا نامہ ہو نہ پھر تاریک سے تاریک تر

ہے وہیں صیاد دنیا میں جہاں نخچیر ہیں
جب تلک تو صید ہے ترکش میں میرے تیر ہیں

صاحبِ پرواز ہے نا آشنا افتاد سے
صیدا گرز یرک ہے تو محفوظ ہے صیاد سے

☆☆☆

اب کہا میں نے کہ کر دے ترک آئین فراق
حق کے نزدیک اَبغَضَ الاَشیاءِ عِندِیْ اَطّلاق(☆)

بولا "سازِ زندگانی ہے یہی سوزِ فراق
اے خوشا سرمستی و سرشاریٔ روزِ فراق

وصل کی بات اب لبوں پر میرے آ سکتی نہیں
گر ہوں خواہاں وصل کا وہ بھی نہیں میں بھی نہیں"

وصل کی باتوں نے اس کو خود سے بیگانہ کیا
اس کے دل میں سوز و درد اک بار پھر تازہ کیا .

اک دو پل غلطیدہ اپنے دو دِ پیچاں میں رہا
اس کے اندر ہی نظر سے پھر وہ پنہاں ہو گیا

ایک نالہ اب ہوا اس دودِ پیچاں سے بلند
اے خنک وہ جاں کہ جو ہو سوز ناک و درد مند

☆☆☆

(☆) مشہور حدیث (طلاق سب سے ناپسندیدہ عمل ہے)

نالۂ ابلیس

اے خدائے خوب و ناخوب و صواب و نا صواب
مجھ کو آخر کر دیا آدم کی صحبت نے خراب

میرے فرمانوں سے سر تابی کبھی کرتا نہیں
اپنی قوت آزمانے کی اسے پروا نہیں

لذتِ "انکار" کا اس کو پتا کوئی نہیں
خاک میں اس کی شرارِ کبریا کوئی نہیں

صید خود ہی سوئے صیاد آتا ہے طے کر کے راہ
مانگتا ہوں ایسے طاعت کیش بندے سے پناہ

اس طرح کے صید سے اب تو مجھے آزاد کر
میں نے جو کی تھی تری خدمت گزاری' یاد کر

پست کر دی اس نے وہ جرأت مری ہمت مری
حیف' زنگ آلود ہوتی جاتی ہے طاقت مری

اس کی فطرت خام ہے اس کا ارادہ ہے ضعیف
تاب لا سکتا نہیں اک ضرب کی میرا حریف

بندۂ صاحب نظر میں چاہتا ہوں اے خدا
اک حریفِ پختہ تر میں چاہتا ہوں اے خدا

میرے لائق تیری آب و خاک کی گڑیا نہیں
ایسی پیری میں مجھے چوں کا کھیل آتا نہیں

ابنِ آدم کیا ہے میرے سامنے؟ اک مشتِ خس
اک شرر اس مشتِ خس کو میری جانب سے ہے بس

عرصۂ عالم میں گر کچھ بھی نہ تھا خس کے سوا
مجھ کو اتنی آگ دینے کی تجھے حاجت تھی کیا؟

شیشے کو پگھلاؤں کیا! شرمندگی کی بات ہے
ہاں، اگر ہو سنگِ خارا پھر تو کوئی بات ہے

تنگ مجھ کو کر دیا ہے اتنے آساں کام نے
آیا ہوں بہرِ مکافات اب میں تیرے سامنے

تجھ سے میری التجا ہے مجھ کو دے منکر مرا
راستہ جو مردِ حق کی سمت جاتا ہے دکھا

ایسا بندہ چاہئے جو خم مری گردن کرے
اک نگاہِ خشم آگیں سے جو لرزاں تن کرے

جو کہے مجھ سے کہ "میرے سامنے سے دور ہو"
جس کے آگے میری قیمت دانۂ جو بھی نہ ہو

اے خدا اک زندہ مردِ خود شناس و حق پرست
کیا مزہ ہوتا ہے دیکھوں میں بھی تو کھا کر شکست



فلکِ زحل

ارواحِ رذیلہ جنہوں نے ملک و ملت سے غداری کی
اور انہیں دوزخ نے بھی قبول نہ کیا

پیر رومی نے کہ ہیں لاریب امام داستاں
بے گماں ہیں آشنائے ہر مقامِ راستاں

ارواحِ رذیلہ جنہوں نے ملک و ملت سے غداری کی اور انہیں دوزخ نے بھی قبول نہ کیا

پیرِ رومی نے کہ ہیں لاریب امامِ راستاں
بے گماں ہیں آشنائے ہر مقامِ راستاں

اب کہا مجھ سے کہ "اے گردوں نوردِ سخت کوش
دیکھتا ہے سامنے وہ عالمِ زنار پوش؟

اس نے یہ گردِ کمر جس چیز کو لپٹایا ہے
اک ستارے کی وہ دم ہے جو چرا کر لایا ہے

سست رفتاری کے باعث ہے خرام اس کا سکوں
اس کی نسبت کے سبب ہر خوب ہے زشت و زبوں

گرچہ پانی اور مٹی ہی سے ہے اس کی زمیں
اس کے اوپر پاؤں رکھنا بھی مگر آساں نہیں

ہاتھ میں لاکھوں فرشتوں کے کڑکتی بجلیاں
ہے نزولِ قہرِ یزداں کا یہاں ہر دم سماں

کوڑے پر کوڑے لگاتے جاتے ہیں سیارے کو
اپنے محور سے ہٹاتے جاتے ہیں سیارے کو

ہے ہمیشہ کے لئے گردوں سے دھتکارا ہوا
صبح سے نا آشنا، ظلمت میں ہے ڈوبا ہوا

منزل ان ارواح کی ہے جو ہیں بے یومِ نشور
آگ میں جن کو جلانے سے جہنم ہے نفور

اس کے اندر رہتے ہیں وہ دو طواغیتِ(٭٭) کہن
قتل کر دی تھی جنھوں نے روحِ قوم از بہرِ تن

جعفر و صادق، دغابازان بنگال و دکن
ننگِ آبا، ننگِ ملت، ننگِ دیں، ننگِ وطن

نا قبول و نا امید و نا سزا و نامراد
ان کی غداری سے ملت ہو گئی نذرِ فساد

کھولے جس ملت نے ہر ملت کی محکومی کے بند
ملک و دیں کے کھو دئے اس نے مقاماتِ بلند

وہ دیارِ ہوش منداں خطۂ ہندوستاں
جو ہے دنیا میں عزیزِ خاطرِ صاحبدلاں

جس کا ہر جلوہ مسرت آفریں، گیتی فروز
خاک و خوں کے درمیاں غلطاں و پیچاں ہے ہنوز

(٭٭) طواغیت = طاغوت کی جمع۔ شیطان

کس نے اس کی خاک میں تخمِ غلامی بو دیا؟
ہاں، یہ سب کچھ ان دو ارواحِ رذیلہ نے کیا

اس فضائے نیلگوں میں ٹھیر جا دو چار پل
دیکھ اپنی آنکھ سے کیا ہے مکافاتِ عمل

قلزمِ خونیں

وہ بیاں میں کیا سمائے جو وہاں آیا نظر
اس کے ڈر سے جسم ہو جاتا ہے جاں سے بے خبر

سامنے کیا دیکھتا ہوں میں کہ ہے اک بحرِ خوں
بحرِ خوں رکھتا ہے جو طوفاں بروں طوفاں دروں

ہیں ہوا میں سانپ جیسے ہوں سمندر میں نہنگ
ان کے پھن شبکوں ہیں ان کے بال و پر سیماب رنگ

تیز و تند امواج ہیں درّندہ مانندِ پلنگ
جن کی دہشت سے ہیں ساحل پر پڑے مردہ نہنگ

بحر ساحل کو نہیں دیتا ہے اک پل بھی اماں
گرتی ہیں اس میں پہاڑوں کی چٹانیں ہر زماں

بے تحاشا موجِ خوں سے موجِ خوں ٹکراتی ہے
ایک زورق(٭) درمیاں ہچکولے پیہم کھاتی ہے

اور اس زورق کے اندر ہیں دو مردِ زرد رو
زرد رو، تشنہ دہن، عریاں بدن، آشفتہ مو

روحِ ہندستان ظاہر ہوتی ہے

اب اچانک میں نے دیکھا آسماں شق ہو گیا
چہرہَ زیبا ہوا اک حور کا جلوہ نما

آشکار اس کی جبیں سے نار و نورِ لا یزال
دونوں آنکھوں سے ہویدا تھا سرورِ لا یزال

پیرہن اس کا سبک اور نرم تھا جیسے سحاب
جس کا تار و پود تھا رشکِ رگِ برگِ گلاب

حسن کے ساتھ اس کی قسمت میں لکھا تھا طوق و بند
تھے لبوں پر اس کے ہر دم نالہ ہائے دردمند

"یہ ہے روح ہند، اس کو دیکھ" رومی نے کہا
"جس کی فریاد و فغاں نے دل کو افسردہ کیا"

(٭) زورق = کشتی

روحِ ہندوستاں نالہ و فریاد کرتی ہے

زندگی کی شمع سے بے مایہ ہے فانوسِ ہند
ہند کے باشندے ہیں بیگانۂ ناموسِ ہند

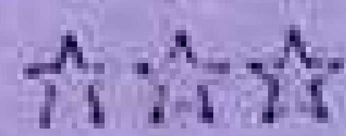
ایسا مردک جو نہ جانے اپنے ہی اسرار کو
اپنے بربط کے نہیں خود چھیڑ سکتا تار کو

عہدِ رفتہ پر ہمیشہ اس کی رہتی ہے نظر
آتشِ افسردہ سے اپنا جلاتا ہے جگر

میرے دست و پا میں محکومی کی زنجیر اس سے ہے
گریہ و زاری مری محرومِ تاثیر اس سے ہے

وہ متاعِ خود شناسی سے نہیں ہے بہرہ مند
رسم و آئینِ کہن کے قید خانے میں ہے بند

آدمیت اس کے جینے کے قرینے سے حزیں
دہر اس کے پاک اور ناپاک سے اندوہگیں



ترک کر وہ فقر جو دیتا ہے عریانی تجھے
اے خنک وہ فقر جو دیتا ہے سلطانی تجھے

اُحذر ان دونوں سے وہ جبر ہو یا خوئے صبر
جابر و مجبور ہر دو کے لئے ہے زہر جبر

زندگانی اِس کی خوگر صبر کی ہو جاتی ہے
زندگانی اُس کی خوگر جبر کی ہو جاتی ہے

دونوں میں ذوقِ ستم یوں اور ہوتا ہے فزوں
ہے یہی حسرت مری یَاُ لَیتَ قَو مِی یَعلَمون٭

ہند میں کب صبح ہوگی، جائے گی کب تیرگی
مرگیا جعفر پر اس کی روح زندہ ہے ابھی

ایک تن سے رخت اپنا جب اٹھا لیتی ہے وہ
آشیانہ دوسرے تن میں بنا لیتی ہے وہ

وہ کبھی کر لیتی ہے نصرانیوں سے ساز باز
بت پرستوں سے کبھی اظہارِ اخلاص و نیاز

اس کا آئین اور اس کا دین ہے سوداگری
ہے لباسِ حیدری میں درحقیقت عنتری

جب بدلتا ہے کبھی دنیائے آب و گل کا رنگ
وہ بھی اپنی زندگانی کا بدل لیتی ہے ڈھنگ

(٭) یالیت قومی یعلمون = اے کاش میری قوم (اس نکتے کو) جانتی

اس سے پہلے اور کے در پر رگڑتی تھی جبیں
اب پرستش کو وطن کی جانتی ہے اپنا دیں

اس کا ظاہر ہے غمِ دیں سے نہایت درد مند
اس کا باطن بت پرستوں کی طرح زنار بند

ہر بدن میں جعفرِ عیار ہے ملت فروش
یہ مسلمانِ کہن سو بار ہے ملت فروش

مسکراتا ہے مگر بے درد ہے بے مہر ہے
سانپ خنداں ہو تو کیا جب اس کے اندر زہر ہے

اس کی قوم اس کی ریاکاری سے ہوتی ہے دو نیم
اس کی ہستی قوم کو کر دیتی ہے خوار و لئیم

گر کسی ملت کا دنیا میں ہے غارت گر کوئی
اصل اس کی بے گماں صادق ہے یا جعفر کوئی

ہر بشر کو رکھے ایمن روحِ جعفر سے خدا
جعفرانِ عصرِ نو کے فتنہ و شر سے خدا"



قلزمِ خونیں میں زورق نشینوں میں سے ایک کی فریاد

موت کرتی ہے پذیرائی ہماری نے حیات
دونوں پیش آتی ہیں بے مہری و بیزاری کے ساتھ

ہم نے چھوڑا آخرش جس دم جہانِ شرق و غرب
لے گیا دوزخ کے دروازے پہ ہم کو درد و کرب

ہم پر اس نے اپنی اک چنگاری بھی پھینکی نہیں
مشتِ خاکستر ہمارے سر کی سمت آئی نہیں

بولی دوزخ "ہاں' خس و خاشاک بہتر ہے مجھے
اپنا شعلہ تم سے رکھوں پاک بہتر ہے مجھے"



آسمانوں، کے پرے پھر دل گرفتہ ہم گئے
پیشِ مرگِ ناگہاں بادیدۂ پُر نم گئے

کہتا تھا وہ "جاں مرے اک رازِ پنہاں کا ہے نام
حفظِ جاں و انہدامِ تن سے میں رکھتا ہوں کام

گرچہ جانِ زشت ہے قیمت میں کمتر از دوجو
چاہتے ہو انہدامِ جاں تو مجھ سے دور ہو

اس طرح کا کام اب تک مرگ نے سیکھا نہیں
مرگ سے غدار کی جاں کو سکوں ملتا نہیں

☆☆☆

اے ہوائے تند و طوفاں خیز! اے دریائے خوں!
اے زمینِ خشک و تر! اے آسمانِ نیلگوں!

اے نجوم! اے کہکشاں! اے ماہتاب! اے آفتاب!
اے قلم! اے تختیِ محفوظ! اے اُمّ الکتاب!

اے جہانِ ابیضِ افرنگ! اے لردانِ غرب!
اے کہ تم نے ایک دنیا جیت لی بے حرب و ضرب

بے کراں، بے ابتداء، بے انتہا ہے یہ جہاں
ہے مگر غدارِ ملک و قوم کا مولا کہاں؟

☆☆☆

ناگہاں ہر سمت سے اٹھی صدائے ہولناک
جس کے ڈر سے سینۂ صحرا و دریا چاک چاک

ربط اقلیمِ بدن کا ہو گیا زیر و زبر
کوہ پاروں پر گرے کوہ پارے پیہم ٹوٹ کر

ابر کی صورت پہاڑ اڑنے لگے نزدیک و دور
ایک عالم پر قیامت آگئی بے بانگِ صور

برق و رعد اپنے تب و تابِ دروں سے ہر زماں
ڈھونڈتے تھے قلزمِ خونیں کے اندر آشیاں

دمبدم موجیں اٹھیں پر شور و از خود رفتہ تر
دیکھتے ہی دیکھتے، تھے غرقِ خوں کوہ و کمر

حشر جو پیدا و ناپیدا پہ یوں برپا رہا
خلیلِ انجم نے اسے دیکھا تو بے پروا گیا



آسوئے افلاک

جرمن فلسفی نطشہ کا مقام

زندگی اور موت ہر جا بر سر پیکار ہیں
آسمانِ نیلگوں کے جانے کیا اسرار ہیں

جرمن فلسفی نطشہ کا مقام

زندگی اور موت ہر جا بر سرِ پیکار ہیں
آسمانِ نیلگوں کے جانے کیا اسرار ہیں

سچ تو یہ ہے موت لاتی ہے پیامِ زندگی
اے خوشا وہ مرد جو سمجھے حقیقت موت کی

ہر کہیں ہے عرصۂ آفاق میں ارزاں حیات
بے ثباتی میں وہ رکھتی ہے تمنائے ثبات

جانے کتنے راہ میں دیکھے جہانِ شش جہات
آخرش آئی نظر آنکھوں کو حدِ کائنات

ہم نے دیکھا ہر جہاں کے ماہ و پرویں اور ہیں
ہر جہاں میں زندگی کے رسم و آئیں اور ہیں

مثلِ دریا وقت ہر عالم میں رہتا ہے رواں
ہے سبک گامی یہاں آہستہ رفتاری وہاں

جو ہمارا سال ہے ماہ ہے یہاں دم ہے وہاں
جانتے ہیں بیشتر جس کو یہاں کم ہے وہاں

ایک عالم میں ہماری عقل تو ہے ذو فنون
دوسرے عالم میں لیکن ہے وہی خوار و زبوں

☆☆☆

ایک مرد اس عالمِ اسباب کی سرحد پہ تھا
جس کے لب پر تھی صدائے دردناک و غم فزا

دیدہَ بینا تھا شاہینوں سے اس کا تیز تر
آشکارا اس کے چہرے سے تب و تابِ جگر

اس کے سینے کی تپش ہر لحظہ بڑھتی جاتی تھی
دمبدم اس بیت کو اس کی زباں دہراتی تھی

"نہ جبریلے' نہ فردوسے' نہ حورے' نے خداوندے
کفِ خاکے کہ می سوز دز جانِ آرزو مندے"

میں نے رومیؔ سے جو پوچھا "کون یہ دیوانہ ہے؟"
بولے "یہ المانیہ کا ہندۂ(٭) فرزانہ ہے

ہے مقام اس کا یہاں دو عالموں کے درمیاں
نغمۂ دیرینہ اس کی نے کے اندر ہے نہاں

یہ ہے اپنے دور کا حلاج بے دار و رسن
کہہ دیا اس نے بطرزِ نو وہی حرفِ کہن

حرف ہیں بے باک اور افکار ہیں اس کے عظیم
اہلِ مغرب اس کی شمشیرِ طلاقت سے دو نیم

(٭) جرمن فلسفی نطشہ

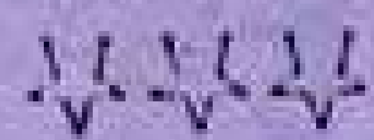
اس کے جذبے سے تھے اس کے ہم نشیں نا آشنا
بندۂ مجذوب کو مجنوں و دیوانہ کہا

اہلِ دانش جو کہ سوزِ عشق تھے بے نصیب
لے کر از بہرِ علاج اس کو گئے پیشِ طبیب

کیا ہے ان چارہ گروں میں ظنّ و تخمیں کے سوا
وائے وہ مجذوب جو افرنگ میں پیدا ہوا

ابنِ سینا جو کتب سے رہنمائی لیتا ہے
کھولتا ہے فصد، حبِّ خواب اور دیتا ہے

اپنی بستی میں تھا یہ حلاج بے چارہ غریب
جان ملّا سے بچائی تو ہوا نذرِ طبیب



خطۂ یورپ میں مردِ راہ داں کوئی نہ تھا
نغمہ تارِ چنگ سے اس کا فزوں تر ہو گیا

راہرو کو جب کسی نے راہ دکھلائی نہیں
واردات اس کی رہینِ صد خلل پیہم رہیں

اس کے جوہر کو کسی کامل نے پرکھا ہی نہیں
کارداں نے مردِ کار اس کو بنایا ہی نہیں

ایسا عاشق تھا کہ اپنی آہ میں گم ہو گیا
ایسا سالک تھا کہ اپنی راہ میں گم ہو گیا

ریزہ ریزہ اس کی مستی نے ہر اک شیشہ کیا
وہ خدا سے بے تعلق، خود سے بیگانہ رہا

چاہتا تھا ظاہری آنکھوں سے کیا کیا دیکھ لے
قاہری اور دلبری کا رنگ یکجا دیکھ لے

چاہتا تھا وہ کہ قیدِ آب و گل سے چھوٹ جائے
چاہتا تھا وہ کہ خوشہ کشتِ دل سے پھوٹ آئے

تھی جو اس کی آرزو وہ ہے مقامِ کبریا
عقل و حکمت سے مگر یہ مرتبہ ہے ماورا

زندگانی کیا ہے؟ تشریحِ اشاراتِ خودی
لا بھی ہے الا بھی ہے دونوں مقاماتِ خودی

لا میں در ماندہ رہا، الا سے بے بہرہ گیا
وہ مقامِ عبدہ، سے رہ کے بیگانہ گیا

تھی تجلی ہمکنار اور وہ تھا اس سے بے خبر
جیسے میوہ رہتا ہے بیخِ شجر سے دور تر

رویتِ آدم کا ارماں اس کی آنکھوں سے عیاں
بے خطر نعرہ لگایا اس نے، آدم ہے کہاں

ورنہ وہ تو خاکیوں سے تنگ تھا، بیزار تھا
اور موسیٰؑ کی طرح سے طالبِ دیدار تھا

گر زمانہ احمدِ(☆) سر ہند کا ہوتا نصیب
تو سرورِ سرمدی سے اس کو مل جاتا نصیب

عقل کے ساتھ اس کو محوِ گفتگو ہی رہنے دے
تو چل اپنی راہ پر، نیکو تر اپنی راہ ہے

اب قدم آگے بڑھا اور دیکھ آیا وہ مقام
وہ مقام آیا جہاں بے حرف اگتا ہے کلام"



(☆) مجدد الف ثانی

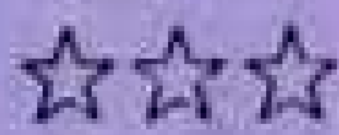
جنت الفردوس کو روانگی

اور بھی آگے بڑھا میں چھوڑ کر یہ کائنات
اب جہاں رکھا قدم وہ تھا جہانِ بے جہات

یہ جہاں وہ تھا کہ جس میں نے یمیں ہے نے یسار
اس جہاں میں نے سحر نے شام نے لیل و نہار

سامنے اس کے چراغِ فہم میرا گل ہوا
ہیبتِ معنی سے اس کی حرف میرا مر گیا

کب زبانِ آب و گل کے بس میں ہے گفتار جاں
مرغ کی پرواز کا امکاں قفس میں ہے کہاں



اب ذرا اپنے جہانِ دل کو بھی دیکھ اک نظر
تاکہ اپنے نور سے ہو جائے تو روشن بصر

دل جسے کہتے ہیں وہ ہے اک جہانِ رنگ و بو
اور ہوتا ہے جہانِ رنگ و بو بے چار سو

اک طرح ساکن بھی ہے دل اک طرح سیّار بھی
عالمِ احوال بھی ہے عالمِ افکار بھی

گر حقائق سے حقائق کی طرف جاتی ہے عقل
سیر دل کی ہوتی ہے بے جادہ و رفتار و نقل

دل میں آتے ہیں خیال اک دوسرے سے سب جدا
ایک گردوں آشنا ہے دوسرا ہے نارسا

کوئی یہ کہتا نہیں وہ ہے جو گردوں آشنا
اس کے دائیں سمت ہے کوئی خیالِ نارسا

یا کہ دیدارِ رخِ محبوب میں ہے جو سرور
ہے ہوائے کوچۂ محبوب سے دو گام دور

تیری آنکھیں گاہے ہیں بیدار گاہے محوِ خواب
دل و لیکن دیکھتا ہے بے شعاعِ آفتاب

اب جہانِ دل پر اپنے اس جہاں کا کر قیاس
یہ جہاں وہ ہے جہاں درماندہ ہیں سارے حواس



یہ الگ ہے ایک عالم' یہ جدا ہے اک جہاں
اصل اس کی اور ہے' دیگر ہے اس کا کن فکاں

یہ جہاں ہے لازوال و ہر زماں نوعِ دگر
یہ نہیں آتا سمجھ میں گرچہ آتا ہے نظر

ہر زماں تازہ بہ تازہ نو بنو اس کا کمال
ہر زماں تازہ بہ تازہ نو بنو اس کا جمال

ہے زمانہ اس جہاں کا بے نیازِ ماہ و مہر
اس کی وسعت میں سما جاتے ہیں جتنے ہیں سپہر

غیب سے ہر چیز آ جاتی ہے فوراً روبرو
پیشتر اس کے کہ آئے دل میں اس کی آرزو

یہ جہاں کیا ہے، بیاں کرنے سے قاصر ہے زباں
کس طرح نور و حضور و زندگی کا ہو بیاں

پھول لالہ کے ہیں آسودہ یہاں کہساروں میں
نہریں بہتی ہیں یہاں گاتی ہوئی گلزاروں میں

غنچہ ہائے رنگ رنگ اطراف میں پھیلے ہوئے
ہیں دمِ قدوسیاں سے دمبدم کھلتے ہوئے

آب ہے سیمیں یہاں کا اور ہوائیں عنبریں
قصر و ایواں حیرت افزا، ان کے گنبد زمردیں

خیمے ہیں یاقوت گوں، جاذب نظر، زریں طناب
ان میں حوریں ہیں کہ جن کے چہرے ہیں آئینہ تاب

میری حیرت پر کہا رومی نے "اے صیدِ قیاس
آگے بڑھ اب ترک کر کے اعتباراتِ حواس

یاں تجلی سے خدا کی کار ہائے خوب و زشت
یہ تو بنتے ہیں جہنم اور وہ بنتے ہیں بہشت

دیکھتا ہے تو یہاں جو قصر ہائے رنگ رنگ
ان کی اصل اعمال ہیں، ہرگز نہیں ہیں خشت و سنگ

تو جنہیں کہتا رہا ہے کوثر و غلمان و حور
لا جرم ہیں جلوہ ہائے عالمِ جذب و سرور

زندگانی اس جہاں میں نام ہے دیدار کا
ذوقِ دیدار اور کیف و لذتِ گفتار کا"



قصرِ شرف النساء

میں نے رومی سے کہا "یہ ہے جو قصرِ لعلِ ناب
یہ کہ جس کو باج ادا کرتا ہے روشن آفتاب

یہ مقامِ دلکشا' کاشانۂ تابندہ تر
حوریں آئیں باندھ کر احرام اس درگاہ پر

جستجو کا ذوق تو نے رہ نوردوں کو دیا
یہ محل کس کا ہے' اس کا کون مالک ہے' بتا"

"یہ ہے" رومی نے کہا "کاشانۂ شرف النساء
جس کا مرغِ بام ہے نورانیوں کا ہم نوا

اپنے قلزم کو نہ پھر اس طرح کا گوہر ملا
پھر کسی ماں نے نہ ایسی بیٹی کو پیدا کیا

خاک ہے لاہور کی اس کی لحد سے آسماں
واقف اس کے رازِ پنہاں سے نہیں اہلِ جہاں

اس کی ہستی تھی سراپا ذوق و شوق و درد و داغ
صوبۂ پنجاب کے حاکم کی تھی چشم و چراغ

---

(۲۱) صوبیدار پنجاب

وہ جہاں میں تھی فروغِ دودۂ عبدالصمد(؟)
نقش اس کے فقر کا باقی رہے گا تا ابد

فیضِ قرآنِ مبیں تھا سوز و سازِ زندگی
وہ تلاوت سے کسی ساعت نہیں غافل رہی

تیغِ دو رو تھی کمر میں' ہاتھ میں قرآن تھا
تن بدن ہوش و حواس اللہ مست ہر آن تھا

زندگانی خلوت و شمشیر و قرآن و نماز
اے خوشاوہ عمر جو ہر دم تھی مرہونِ نیاز

آخری سانس آگئی جس وقت اس کے ہونٹ پر
اس نے مشتاقانہ اپنی ماں کی جانب کی نظر

بولی "میری زندگی کے راز کو پہچانئے
یہ مری شمشیر یہ قرآن ہے ان کو دیکھئے

ہیں یہ دونوں قوتیں اک دوسرے کی پاسباں
گھومتا ہے زندگی کا' ان کے محور پر' جہاں

ایسے عالم میں جہاں مر جاتی ہے ہر اک نفس
آپ کی بیٹی انہیں دو کی تھی محرم اور بس

وقتِ رخصت یہ ہے میری التجا سن لیجئے
تیغ اور قرآن کو مجھ سے جدا مت کیجئے

میری تربت پر کتاب و تیغ کو رکھ دیجئے
گنبد و قندیل کی وقعت نہیں میرے لئے

مومنوں کے واسطے ہے تیغ اور قرآں بہت
میری تربت کے لئے بھی ہے یہی ساماں بہت

☆☆☆

مدتوں زریں کلس کے نیچے یہ ساماں رہا
قبر پر رکھا ہوا شمشیر اور قرآں رہا

آشکار اس کی لحد نے کر دیا رازِ ثبات
دارِ فانی میں دیا مومن کو پیغامِ حیات

پر مسلماں نے سلوک ایسا کیا آپ اپنے ساتھ
گردشِ دوراں نے کی زیر و زبر اس کی بساط

غیرِ حق سے بندۂ حق بے طرح ڈرنے لگا
پیشہ روباہی کا اب شیرِ خدا کرنے لگا

اس کے دل سے تاب و تب جاتی رہی سیماب کی
تجھ کو ہے معلوم کیا حالت ہوئی پنجاب کی

خالصہ شمشیر بھی قرآن بھی لے کر گیا
وہ جو اس کشور میں ہوتا تھا مسلماں مر گیا

☆☆☆

امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی اور ملا طاہر غنی کشمیری کی زیارت

دل مرا رومی کی باتوں سے ہوا اندوہگیں
آہ وہ پنجاب وہ فرخندہ طلعت سر زمیں

غم نے یاروں کے مجھے تڑپایا باغِ خلد میں
زخمِ کہنہ ہو گیا پھر تازہ باغِ خلد میں

ناگہاں مجھ کو سنائی دی صدائے درد مند
حوضِ کوثر کے کنارے سے ہوئی تھی جو بلند

"میں نے تنکے جوڑے ہیں خود کو جلانے کے لئے
گل سمجھتا ہے بناتا ہوں چمن میں آشیاں" (غنی)

"اے پسر، دیکھ آگے کیا آتا ہے" رومی نے کہا
"اب تو گزرے سانحہ پر غم نہ کر، دل مت دکھا

شاعرِ رنگیں نوائے کاشمر، طاہر غنی
وہ کہ جس کے فقر کا باطن غنی ظاہر غنی

وہ سراپا جذب و ذوق و شوق وہ مستِ مدام
نغمہ پیرا ہے حضورِ سیدِ والا مقام(٭)

(٭) سید علی ہمدانی

سیدؐ السادات، میرِ حق پرستانِ عجم
اس کا ہاتھ آفاق میں معمارِ تقدیرِ امم

جب غزالی پر کھلا اللہ ھو کا ماجرا
درسِ ذکر و فکر اس کے خانداں ہی سے لیا

رہبرِ کامل، عیارِ کشورِ مینو نظیر
میر و مرشد نکتہ دانوں کا، سلاطیں کا مشیر

ملک کو اس شاہِ دریا آستیں کی ہے عطا
دانش و علم و ہنر، تہذیب و دینِ مصطفیٰؐ

اپنے خطہ کو بنایا اس نے ایرانِ صغیر
صنعتیں دے کر اسے خوب و غریب و دل پذیر

صد گرہ سلجھاتی ہے دم بھر میں اس کی اک نگاہ
اٹھ اور اس کے تیر کو دے تو بھی اپنے دل میں راہ"

شاہ ہمداں کے حضور
زندہ رود

راز یہ کیا ہے کہ ہم کو حکم اطاعت کا دیا
اور شیطاں کو بھی اس نے آپ ہی پیدا کیا

زشت و نا خوش کو سجایا ہر طرح سے ہر جگہ
ہم کو ہر صورت میں چلنے کو کہا نیکی کی راہ

چاہتا ہوں جاننا میں یہ فسوں سازی ہے کیا
اک جواری بدگہر کے ساتھ یہ بازی ہے کیا

مشت خاکی اور یہ ہفت افلاک کی گردش مدام
مجھ کو سمجھا اس کو کیسے زیب دیتا ہے یہ کام

فکر ہو یا ہو عمل، آزار ہے، سہتے ہیں ہم
ہاتھ کو دانتوں سے اپنے کاٹتے رہتے ہیں ہم

شاہ ہمداں

با خبر ہے جو بھی اپنے آپ کی پہچان سے
منفعت حاصل وہ کر لیتا ہے ہر نقصان سے

دوستی شیطان سے آدم کے حق میں ہے وبال
بر سرِ جنگ اس سے رہنے سے نکھرتا ہے جمال

تجھ کو لازم اہرمن سے ہے تصادم ہر زماں
تو ہمہ شمشیر ہے وہ ہے ہمہ سنگِ فساں

تیز تر ہو تا کہ تیری ضرب ہو سخت اور سخت
ورنہ تو دونوں جہانوں میں رہے گا تیرہ بخت

زندہ رود

زیرِ گردوں کھا رہے ہیں آدمی کو آدمی
ملتوں کو لوٹتی ہے ملتوں کی رہزنی

اہلِ خطہ سے ہے سوزاں میری جاں مثلِ سپند
سینے سے اٹھتے ہیں میرے نالہ ہائے دردمند

ہے وہ ملت زیرک و روشن ضمیر و خوش خصال
دہر میں اس کی ہنر مندی ہے آپ اپنی مثال

اس کا ساغر اس کے اپنے خوں میں ہے ڈوبا ہوا
اس کے مضموں سے ہے درد آگیں مری نے کی نوا

وہ ہے اپنی زندگانی میں خودی سے بے نصیب
اس لئے اپنے وطن میں اجنبی ہے اور غریب

ہاتھ ہیں مصروف اس کے دوسروں کے کام میں
اس کے دریا کی ہے ماہی دوسروں کے دام میں

جادہ پیما اس جہاں میں کارواں ہیں گام گام
لیکن اس کے کام ہیں ناخوب و بے اندام و خام

جذبہ اس کے دل سے دیرینہ غلامی لے اڑی
آگ اس کی تاک کی رگ میں جو تھی وہ بجھ گئی

مت سمجھنا اس کی حالت ہر زماں ایسی رہی
ناصیہ سائی درِ اغیار پر کرتی رہی

اک زمانے میں دلیر و صف شکن بھی تھی وہی
پر دم و با ہمت و شمشیر زن بھی تھی وہی

☆☆☆

دیکھ اس کے برف پوش، آئینہ آسا کوہسار
دیکھ اس کے شعلہ افگن آتشیں دستِ چنار

لعل اگاتا ہے وہاں برسات کے موسم میں سنگ
اس کی مٹی سے اٹھا کرتا ہے اک طوفانِ رنگ

ابر پاروں کو ہوا ہر سمت تیراتی ہوئی
یا کمانِ پنبہ زن سے روئی ہے دھنکی ہوئی

وادی و کہسار و دریا و غروبِ آفتاب
اس جگہ پر میں نے دیکھا ہے خدا کو بے حجاب

وہ نشاط اشعار رومی کے میں گاتا تھا جہاں
سیر کرنے کو صبا کے ساتھ آتا تھا جہاں

اک پرندہ ایک دن شاخوں میں گاتا تھا کہیں
"یہ بہاریں ایک کوڑی کے برابر بھی نہیں

نرگسِ شہلا و لالہ کا وہ حسنِ تابناک
بادِ نو روزی گریباں ان کے کر دیتی ہے چاک

وادی و کہسار میں کھلتے ہیں ہر شام و سحر
نسترن کے پھول نورِ ماہ سے پاکیزہ تر

موسمِ گل کے گزرتے ہی رہے ہیں کارواں
پر شہاب(☆) الدین کوئی دوسرا آیا کہاں؟"

☆☆☆

نالۂ مرغِ سحر کے سوز میں تھا وہ اثر
میری جاں کو مل گئی اس سے تب و تابِ دگر

اب نظر آیا مجھے دیوانہ اک محوِ خروش
جس نے مجھ سے چھین لی میری متاعِ صبر و ہوش

☆☆☆

"ہرگز نہ مجھ سے نالۂ مستانہ مانگ تو
پھولوں کی شاخ سے گزر' افسوں ہے رنگ و بو

(☆) کشمیر کا ایک مشہور سلطان

کہتا ہے برگِ لالہ سے شبنم ٹپکتی ہے
غافل! یہ دل ہے، گریہ کناں ہے کنارِ جو

یہ مشتِ پر کہاں یہ سرودِ حزیں کہاں
روحِ غنی ہے ماتمی مرگِ آرزو

پہنچا دے میرا مجلسِ اقوام کو پیام
تیرا گزر جنیوا سے گر اے نسیم ہو

دہقاں و کشت و جوے و خیاباں فروختند
قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند"

شاہ ہمداں

میں بتاتا ہوں تجھے اک رمزِ باریک اے پسر
تن سراپا خاک ہے، جاں ہے مگر والا گہر

تن کو جاں کے واسطے قربان کرنا چاہئے
خاک و جانِ پاک کی پہچان کرنا چاہئے

اپنے تن سے تو اگر ٹکڑا کرے کوئی جدا
وہ ہمیشہ کے لئے یکسر تلف ہو جائے گا

جاں ہو جلوہ مست تو کیا شان دکھلاتی ہے وہ
گر اسے تو ہاتھ سے دے، ہاتھ آجاتی ہے وہ

شش جہت میں اس کے جوہر کا کوئی ہمسر نہیں
بند کے اندر ہے وہ اور بند کے اندر نہیں

گر بچا کر اس کو رکھے مر کے وہ کھو جاتی ہے
گر نچھاور کر دے نورِ انجمن ہو جاتی ہے

جانِ جلوہ مست کہتے ہیں کسے اے مردِ حر
جان دینا کیا ہے اپنے ہاتھ سے اے مردِ حر

کھیل جانا جان پر خوشنودیٔ حق کے لئے
کوہ کو پگھلانا سینے میں فروزاں آگ سے

جلوہ مستی آپ کا پائندہ ہونے کا ہے نام
شب کو تارے کی طرح تابندہ ہونے کا ہے نام

آپ کو جس نے نہیں پایا ہے وہ مردہ رہا
آپ کو پانا ہے خود کو زندگی کرنا عطا

جس نے اپنے آپ کو دیکھا ہے پائندہ ہے وہ
باہر اپنے قید خانے سے نکل آیا ہے وہ

اس جہاں میں آپ کو دریافت جس نے کر لیا
نیش میں نوشینہ کا اس کو مزہ آنے لگا

اس کے حق میں جاں ہوا کی طرح ارزاں ہوتی ہے
اس کے آگے منہدم دیوارِ زنداں ہوتی ہے

کوہ کو تیشے سے اپنے پارہ پارہ کرتا ہے
بے خطر گیتی سے حاصل اپنا حصہ کرتا ہے

جب گزر جاتا ہے جاں سے اس کی ہو جاتی ہے جاں
ورنہ جاں تو ایک دودم کے لئے ہے میہماں

زندہ رود

حکمتِ زشت و نکو کو کر دیا تو نے بیاں
پیرِ دانا' ایک نکتہ اور مجھ پر کر عیاں

اے کہ تجھ کو مرشدِ معنی نگاہاں کہتے ہیں
اے کہ تجھ کو محرمِ اسرارِ شاہاں کہتے ہیں

چاہتا ہے حکمراں ہم بے نواؤں سے خراج
آگہی دے کیا ہے اصلِ اعتبارِ تخت و تاج

شاہ ہمداں

اصلِ شاہی مشرق و مغرب کے ملکوں میں ہے کیا؟
یا ہے حرب و ضرب یا ملت کی تائید و رضا

لیکن اک نکتہ میں بتلاتا ہوں اے والا مقام
باج ان دو کے سوا اوروں کو دینا ہے حرام

یا وہ حاکم جس کی "منکم" کی بنا پر شان ہو
آیہء قرآں جس کی حجت و برہان ہو

یا جواں مردِ جہانِ گیرو دار و ترکتاز
مثلِ صرصر تند خیز و شہر گیر و خویش باز

جنگ کا دن ہو تو اس کی قاہری کشور کشا
صلح کے دن شیوہ ہائے دلبری کشور کشا

یہ تو ممکن ہے خریدیں ہندو ایراں کو مگر
کام شاہی کے لئے آتا نہیں ہے سیم و زر

اے جوانِ با ہنر تو جانتا ہے یا نہیں
جامِ جم دوکانِ شیشہ گر سے مل سکتا نہیں

تلمیح ہے اس آیت کی طرف = یا ایّھا الّذینَ آمنوا اطیعو اللہ و اطیعو الرّسولَ و اولی الامرِ منکم

شیشہ گر سے مال جو ملتا ہے جز شیشہ نہیں
ٹوٹ جانے کے سوا اس کا کوئی پیشہ نہیں



غنی

کس نے ہندوستان کو سودائے آزادی دیا؟
صید کو کس نے جگا کر ذوقِ صیادی دیا؟

وہ برہمن زادگانِ تر دماغ و زندہ دل
لالۂ احمر ہے جن کے روئے زیبا سے خجل

ہوش مند و تیزبیں و پختہ کار و سخت کوش
ہے فرنگ ان کی نگہ کے تیر سے محوِ خروش

اصل ان کی ہے ہماری خاکِ دامن گیر سے
ان ستاروں کو ملی ہے روشنی کشمیر سے

جانتا ہے گر ہماری خاک کو تو بے شرر
دیکھ اپنے دل کے اندر کے جہاں کو اک نظر

یہ ترا تابش کا سرمایہ کہاں سے آیا ہے؟
یہ ہوائے تازہ کا جھونکا کہاں سے آیا ہے؟

یہ ہوا تو ہے وہی جو بخشتی ہے دمبدم
کوہساروں کو ہمارے رنگ، نکہت اور نم



کیا تجھے معلوم ہے اک دن ولر میں بار بار
کہتی تھی اک موج سے کیا ایک موجِ بے قرار؟

"کب تلک بایک دگر قلزم میں لڑتے جائیں ہم
اٹھ کہ باہم مل کے اب ساحل سے جا ٹکرائیں ہم

وہ ہمارے ہی یہاں پیدا ہوئی جوئے کہن
جس سے ہے پر شور ہر دم وادی و کوہ و دمن

سنگِ رہ سے ہر گھڑی ہر لحظہ ٹکراتی ہے وہ
توڑ کر چٹانوں کو آگے نکل جاتی ہے وہ

دسترس میں شہر و کوہ و دشت کو لاتی ہے وہ
شیرِ صد مادر سے روز و شب نمو پاتی ہے وہ

جو سماں اس نے دکھایا وہ نہیں محشر سے کم
اس نے آخر دہر میں ہم سے ہی پایا ہے جنم

حدِ ساحل ہی کے اندر رہ کے جینا ہے گناہ
کیا ہے یہ ساحل ہمارا گر نہیں ہے سنگِ راہ

یہ کناروں پر رضامندی تو ہے مرگِ دوام
گرچہ اس قلزم میں غلطاں رہتی ہے تو صبح و شام

دشت و در کے درمیاں پیہم سفر ہے زندگی
اے خنک وہ موج جو ساحل سے آگے چل پڑی"

☆☆☆

اے کہ تو نے پڑھ لیا ہے خطِّ سیمائے حیات
اے کہ مشرق کو دیا ہے تو نے غوغائے حیات

اے کہ تیری آہِ درد انگیز سے سوزاں جگر
تو اگر بے تاب ہے اس سے تو ہم بے تاب تر

طائرانِ گلستاں نے تجھ سے سیکھا ہا و ہو
صبحدم سبزہ ترے اشکوں سے کرتا ہے وضو

کیاریوں میں پھول اگاتی ہے تری طبعِ رواں
ہیں تری امید سے جانوں میں امیدیں جواں

کاروانوں کے لئے تیری صدا بانگِ درا
اہلِ خطّہ سے تری نو میدی کا باعث ہے کیا؟

ان کے سینے میں جو دل ہے زندہ ہے' مردہ نہیں
زیرِ یخ انگارہ تابندہ ہے' افسردہ نہیں

بے صدائے صور آئے گی قیامت' دیکھنا
تربتوں کی خاک سے اٹھّے گی ملت' دیکھنا

کر بلند اک آہِ آتش ناک اے صاحب نظر
جس سے خاکستر ہو جل کر ساعتوں میں خشک و تر

اس سپہرِ نیلگوں کے نیچے کتنے شہر تھے
جو کسی اک مردِ حق کے سوزِ دل سے جل گئے

سلطنت پانی کا ہے اک بلبلہ، کمزور تر
مردِ مومن کے فقط اک دم سے ہے زیر و زبر

شکل پاتی ہے نوا سے قوم کی تقدیر بھی
ہے نوا سے قوم کی تخریب بھی تعمیر بھی

گو دلوں کو چھیڑتی ہے تیرے نشتر کی کسک
تیری ہستی کو نہیں دیکھا کسی نے آج تک

تیرا پردہ بن گئی تیری نوائے شاعری
ورنہ جو کہتا ہے تو ہے ماورائے شاعری

ایک ہنگامہ نیا کر دے بپا فردوس میں
چھیڑ شور انگیز مستانہ نوا فردوس میں

زندہ رود

خود کو مئے درویشی سے مست دما دم کر
یوں جب ہو قوی قابو میں سلطنتِ جم کر

پوچھا کہ مری دنیا آیا تجھے راس. آئی
سن کر کہ نہیں آئی، فرمایا کہ برہم کر

میخانے ملے خالی شائستہ حریفوں سے
ان مغبچوں سے ہٹ کر ہم دوشئ رستم کر

اے لالۂ صحرائی تو جلتا ہے تنہا کیا
اس داغِ جگر سے سوزاں سینۂ آدم کر

تو سوزِ دروں اس کا، تو گرمئ خوں اس کا
یاور نہیں آتا ہے؟ وا پیکرِ عالم کر

یہ عقل چراغِ رہ ہے راہ گزر میں رکھ
اور عشق ہے ساغر حاصل صحبتِ محرم کر

لختِ دلِ پر خوں میں آنکھوں سے گراتا ہوں
اس لعلِ بدخشاں کو زیبائشِ خاتم کر



ہندی شاعر بھرتری ہری سے ملاقات

محلوں اور خیموں میں تھیں جو حوریانِ شاد کام
میرے نالہ نے انہیں دی دعوتِ سوزِ تمام

ایک نے باہر نکالا خیمہ اطلس سے سر
ایک نے غرفہ سے بیتابانہ دیکھا جھانک کر

میں نے ہر دل کو بہشتِ جاوداں میں آشنا
خاکدانِ ہند کے درد و الم سے کر دیا

زیرِ لب ہنس کر مرے پیر و رفیقِ پاک زاد
یوں ہوئے گویا کہ "اے جادوگرِ ہندی نژاد

دیکھ وہ کچھ دور ہندوستان کا ہے نغمہ گر
اس کے فیضانِ نظر سے بنتی ہے شبنم گہر

بھرتری ہے نام اس کا' نکتہ آرائی شعار
فطرت اس کی جاں فزا مانندِ ابرِ نو بہار

اس نے گلشن سے نہیں جز غنچہء نورس چنا
تیرے نغمے کی کشش سے اس طرف کو آ گیا

شاہِ اقلیمِ سخن جس کی نوا ہے ارجمند
فقر میں بھی ہے مقام و مرتبہ اس کا بلند

نو بہ نو افکار سے ہیں نقش اس کے دلستاں
اس کے دو حرفوں میں ہے معنی کا اک عالم نہاں

کارگاہِ زیست کے اسرار کا محرم ہے وہ
جامِ جم لاریب اس کے شعر ہیں اور جم ہے وہ"

ہم نے اٹھ کر خیر مقدم اس کے آنے کا کیا
صحبت اس کے ساتھ تھوڑی دیر کی آراستہ

زندہ رود

اے کہ ہیں تیرے سخن میں نکتہ ہائے دلنواز
خطۂ مشرق تری گفتار سے دانائے راز

شعر میں جو سوز ہوتا ہے کہاں سے آتا ہے؟
وہ خودی سے یا خدائے مہرباں سے آتا ہے؟



بھرتری ہری

کوئی دنیا میں نہیں واقف کہ شاعرؔ ہے کہاں
وہ تو ہے زیر و بمِ نغمہ کے پردے میں نہاں

جو دلِ سوزاں کہ اپنے سینے میں رکھتا ہے وہ
پیشِ یزداں بھی سکوں نا آشنا رہتا ہے وہ

جاں کو گر ملتی ہے لذت جستجو سے ملتی ہے
شعر کو تابش مقامِ آرزو سے ملتی ہے

اے کہ ہے تاکِ سخن کی مے سے تو مستِ مدام
گر میسّر تجھ کو آ جائے جہاں میں یہ مقام

گرچہ ہے مسکن ترا دنیائے خاک و سنگ و خشت
لوٹ سکتا ہے دو بیتوں سے دلِ حورِ بہشت

زندہ رود

ہندیوں کو میں نے دیکھا ہے رہینِ پیچ و تاب
وقت ہے کردے بیاں اب سرِّ حق کو بے حجاب

بھرتری ہری

یہ خدا کیا ہیں کہ ہیں اینٹ سے پتھر سے بنے
تجھے بہتر ہے سدا سجدے سے دور رہے

سجدہ بے ذوقِ عمل خشک ہے، بے معنی ہے
زیست کردار ہے زیبا رہے یا زشت رہے

بر ملا تجھ کو بتاتا ہوں میں اک راز کی بات
اے خوشابندہ کہ جو دل پر اسے نقش کرے

کار فرمائی یہ آفاق میں یزداں کی نہیں
چرخہ(٭) و دوک بھی اور رشتہ(٭٭) بھی سارے ہیں ترے

پیشِ آئینِ مکافاتِ عمل سجدہ کر
دوزخ و خلد بنا لیتے ہیں اعمال ترے

(بھرتری ہری سے ترجمہ)



(٭) دوک = تکلا (٭٭) رشتہ = کاتا ہوا سوت

سلاطینِ مشرق کے محلات کی طرف روانگی

نادر، ابدالی، سلطان شہید

میری جانِ زار میں اتری صدائے بھرتری
مست و بے خود کر گئی مجھ کو نوائے بھرتری

"اپنی چشمِ دل کو" رومی نے کہا "بیدار رکھ
اب قدم اپنا برونِ حلقۂ افکار رکھ

بزمِ درویشاں میں تو ہوتا رہا تیرا گزر
اب ذرا سلطانوں کے محلوں کو بھی دیکھ اک نظر

دیکھ مشرق کے سلاطیں ہیں یہاں جلوہ فگن
محفل آرا سطوتِ ایران و افغان و دکن



وہ ہے نادر جو مخالف فرقہ بندی کا رہا
درس اخوت کا مسلمانوں کو جو دیتا رہا

وہ ہے ابدالی کہ ہے خود آشنا و حق شناس
جس نے افغاں کو عطا کر دی ہے ملت کی اساس

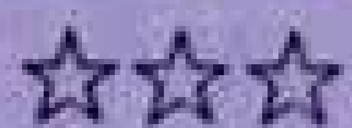
اور وہ سلطاں ہے شہیدانِ محبت کا امام
آبروئے ہند و ایران و عراق و روم و شام

نام اس کا ہے مہ و خورشید سے تابندہ تر
خاک اس کی قبر کی ہم زندوں سے ہے زندہ تر

فاش اس نے عاشقی کا رازِ پنہاں کر دیا
کیسا مشتاقانہ اپنی جاں کو قرباں کر دیا

تھا یہ فیضانِ نگاہِ خواجۂ بدر و حنین
بن گیا جو فقر و سلطاں وارثِ جذبِ حسینؓ

یہ سرائے ہفت روزہ چھوڑ کر سلطاں گیا
اب بھی باقی ہے دکن میں اس کی نوبت کی صدا"



میرے حرف و صوت قاصر، فکر عاجز ہے یہاں
کس طرح ہو اس مقامِ فرحت افزا کا بیاں

اس کے جلوہ ہائے رنگیں سے فرشتے ہیں بصیر
زندہ و بینا گویا و خرد مند و خبیر

اک محل ہے جس کے فیروزہ کے ہیں دیوار و بام
جیسے ہے آغوش میں اس کے سپہرِ نیلی فام

ہے بلندی اس کی پیمائش سے بالا و بروں
جو تصور کو ہمارے کرتی ہے خوار و زبوں

وہ گلاب و یاسمین و نسترن وہ شاخسار
حسن و دلآویزی میں مانندِ تصویرِ بہار

کوئی پتا ہو شجر کا یا ہو گل کی پنکھڑی
ہر گھڑی ذوقِ نمو سے رکھتی ہے رنگت نئی

اس قدر بادِ سحر گاہی ہے افسوں گر یہاں
جب تلک جھپکے پلک ہوتا ہے زرد احمر یہاں

گوہرِ رخشندہ فوارے لٹاتے ہیں یہاں
خلد زاد آزاد طائر گیت گاتے ہیں یہاں

اس محل کے اندر اک تھی جگمگاتی بارگاہ
جس کا ہر ذرّہ تھا تابش میں مثالِ مہر و ماہ

سقف و پرچیں(٭) و اساطیں(٭٭) سر بسر یاقوت کے
فرش سنگِ یشم کا، دیوار و در یاقوت کے

اس مکاں کے دائیں اور بائیں طرف روشن جبیں
حوریانِ خلد صف باندھے ہوئے استادہ تھیں

درمیاں بیٹھے ہوئے تھے اک سنہری تخت پر
خسروانِ ارضِ مشرق، جم حشم، بہرام فر

پیرِ رومی نے کہ ہیں آئینۂ حسنِ ادب
اک ادائے دلربایانہ سے کھولے اپنے لب

اور کہا "مشرق کا رہنے والا اک شاعر ہے یہ
ہے سخن جادو اثر، شاعر ہے یا ساحر ہے یہ

جاں ہے اس کی درد مند اور فکر اس کی ہے بلند
اہلِ مشرق کو کیا سوز و تپش سے بہرہ مند"

نادر

•

خوش بیا، اے نغز گو اے نکتہ سنجِ خاوری
تجھ کو زیبا ہے زبانِ فارسی میں شاعری

(٭) پرچیں = چار دیواری (٭٭) اساطیں = ستون

ہم یہاں سب راز داں ہیں راز کی باتیں سنا
جو تجھے معلوم ہے کچھ حال ایراں کا بتا

زندہ رود

مدّتوں کے بعد اس نے آپ پر ڈالی نگاہ
لیکن آ کر دامِ مغرب میں ہوا گم کردہ راہ

دل ہے اس کا کشتۂ نازِ بتانِ شوخ و شنگ
خالقِ تہذیب ہے، کرتا ہے تقلیدِ فرنگ

ہو گیا ہے اس قدر وارفتۂ ملک و نسب
اس کا شیوہ ذکرِ شاپور اور تحقیرِ عرب

وارداتِ تازہ سے اس کا زمانہ ہے تہی
ڈھونڈتا ہے اب قبورِ کہنہ سے وہ زندگی

ملک سے پیوستہ ہو کر گم کیا اپنا مقام
بھول کر حیدرؓ کو اب لیتا ہے وہ رستم کا نام

نقشِ باطل کو وہ کرتا ہے قبول افرنگ سے
زندگی کرنے کے لیتا ہے اصول افرنگ سے

☆☆☆

کہنگیِ و پیریٔ ایراں، زمانِ یزد جرد(٭)
بے فروغ اس کا تھا چہرہ اور رگوں میں خون سرد

دیں و آئیں تھا پرانا اور فرسودہ نظام
سال خوردہ تھی ضیائے صبح، کہنہ تارِ شام

ایک موجِ مے نہ تھی اس کے سبوئے تاک میں
ایک چنگاری نہیں ملتی تھی اس کی خاک میں

ایسے میں اک حشر اک صحرا سے اٹھ کر آگیا
انقلابِ تازہ سے دوچار اس کو کر دیا

یہ عروج اس کا عنایاتِ خدائے مہرباں
پارس ہے باقی مگر ہے رومتہ الکبریٰ کہاں

جس جماعت کا جسد ہو جاں کی قوت کے بغیر
خاک سے وہ اٹھ نہیں سکتی قیامت کے بغیر

مردِ صحرا نے عطا کی زندگی ایران کو
اور واپس ہو گیا پھر اپنے ریگستان کو

ہر کہن کو لوح سے اس کی مٹایا اور گیا
اس کو عصرِ نو کے ساماں سے نوازا اور گیا

(٭) یزد جرد = ایران کا بادشاہ

آہ! یہ احساں فراموش اس نے یکسر کر دیا
آتشِ افرنگیاں میں آپ جل کر رہ گیا



ناصر (٭) خسرو علوی کی روح نمودار ہوتی ہے اور

مستانہ وار غزل گا کر غائب ہو جاتی ہے

ہاتھ کو تو نے کیا جب مرکبِ تیغ و قلم
غم نہ کر گر مرکبِ تن لنگ ہو یا ہو عرن (٭٭)

نوکِ شمشیر و قلم سے ہوتا ہے پیدا ہنر
ضوفشاں جیسے ہے آتش، نارون آتش فگن

بے ہنر ہے، رکھتا ہے بے دیں اگر تیغ و قلم
دیں نہ ہو تو کچھ نہیں ہے کلک و آہن کی ثمن (٭٭٭)

دیں ہے دانا سے گرامی اور ناداں سے ہے خوار
پیشِ ناداں دیں ہے پیشِ گاوٗ جیسے یاسمن

جیسے وہ کرپاس جس کے نصف سے الیاسؑ کا
کرتہ آئے نصف سے آئے یہودی کا کفن

(٭) ناصر خسرو علوی = اسماعیلی فرقہ کا مبلغ اور شاعر

(٭٭) عرن =

(٭٭٭) ثمن = قیمت

ابدالی

وہ جواں جو عہدِ رفتہ میں رہا فرماں روا
اپنے کوہستان کے غاروں کو واپس ہو گیا

آگ جو کہسار میں بھڑکی تھی آخر کیا ہوا
خوش عیار اس سے وہ نکلا یا کہ جل کر مر گیا

زندہ رود

امتیں راہِ اخوت میں سبک رفتار ہیں
بھائی سے بھائی وہاں لیکن ستیزہ کار ہیں

اُس کی بیداری میں مشرق کی نہاں ہے زندگی
جانتا ہے طفلکِ دہ سالہ بھی لشکر گری

بے خبر کو آپ اپنی ہی خبر آتی نہیں
ممکناتِ خویش کی پہچان ہی باقی نہیں

وارداتِ دل سے وہ غافل نہیں ہے آشنا
تن سے تن بیگانہ دل ہے دل نہیں ہے آشنا

ایک مردِ راہرو ہے راہ سے بھٹکا ہوا
اپنی منزل اور اپنا مدعا بھولا ہوا

کہہ گیا ہے خوب اک نغمہ گرِ افغاں شناس
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے کہتا ہے وہ بے ہراس

وہ حکیمِ ملتِ افغانیاں خوشحال خاں
وہ طبیبِ علتِ افغانیاں خوشحال خاں

ایک قومی راز بے باکانہ اس نے کہہ دیا
حرفِ حق با شوخیٔ رندانہ اس نے کہہ دیا

"کوئی اونٹ ایسا کسی افغاں کے ہاتھ آئے اگر
جس پہ ہو لادا ہوا انبارِ یاقوت و گہر

اس خزانے کو وہ کم ہمّت نہیں پہچانے گا
اونٹ کی گھنٹی سے لیکن شادماں ہو جائے گا"

ابدالی

فطرتِ انساں میں تاب و تب کا ہونا دل سے ہے
جاگنا اس خاک کا دل سے ہے سونا دل سے ہے

دل کے مرنے سے دگر گوں ہوتا ہے تن کا نظام
سارے خشک اور بے عرق ہو جاتے ہیں اس کے مسام

گر فساد آ جائے دل میں تو بدن ہے ہیچ تر
ہو سکے تو ہر نفس ہر لحظہ دلِ پر رکھ نظر

برِاعظم ایشیا ہے ایک جسمِ آب و گل
اور افغانوں کی قوم اس جسم کے اندر ہے دل

ہے فسادِ ملتِ افغاں فسادِ ایشیا
ہے کشادِ ملتِ افغاں کشادِ ایشیا

دل اگر آزاد ہے آزاد رہتا ہے بدن
آندھیوں کے راستے میں ورنہ تنکا ہے بدن

دل تو انا مثلِ تن پابندیٔ آئیں سے ہے
موت ہے کینہ سے اس کی زندگانی دیں سے ہے

ہے نہاں وحدت کے اندر قوتِ دیں کی نمود
دہر میں وحدت سے وابستہ ہے ملت کا وجود

☆☆☆

کر رہا ہے شرق خود کو بھول کر تقلیدِ غرب
جبکہ ان اقوام کو لازم ہے اب تنقیدِ غرب

قوتِ مغرب سرودِ گل عذاراں سے نہیں
دخترانِ بے حجاب و رقصِ عریاں سے نہیں

ساحرانِ لالہ رو کے چشم و ابرو سے نہیں
ساقِ سیمیں سے نہیں، تزئینِ گیسو سے نہیں

اس کی تابش کا سبب تہذیبِ لا دینی نہیں
راز اس کی محکمی کا خطِّ لاطینی نہیں

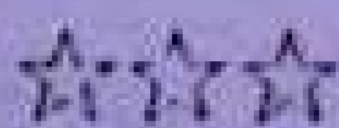
علم و حکمت سے ملا مغرب کو قوت کا سراغ
ہے یہی آتش کہ جس سے اس کا روشن ہے چراغ

اس عروجِ فن کا باعث ہیئت جامہ نہیں
مانعِ علم و ہنرز نہار عمامہ نہیں

علم و فن گر چاہتا ہے اے جوانِ شوخ و شنگ
اکتسابِ مغز کر، مت دیکھ ملبوس فرنگ

اس سفر میں جز نگاہ کچھ بھی نہیں مطلوب ہے
یہ کلاہ یا وہ کلاہ کچھ بھی نہیں مطلوب ہے

کامیابی کا تقاضا فکرِ چالاک اور بس
چاہئے تجھ کو متاع طبع دراک اور بس



کوئی راتوں کو اگر پیتا رہے دودِ چراغ
علم و حکمت کا وہ آخر پا کے رہتا ہے سراغ

ملکِ معنی جو کسی حد کا شناسا ہی نہیں
دسترس میں بے جہادِ پیہم آتا ہی نہیں

ترکِ عثمانی ہے از خود رفتہ و مستِ فرنگ
وہ ہے، میٹھے زہر کا ساغر ہے اور دستِ فرنگ

اس نے تریاقِ عراق اس طرح سے گم کر دیا
کیا کہوں اِس کے سوا "اس کار ہے یاور خدا"

بندۂ افرنگ نے پایا ہے جو ذوقِ نمود
سیکھتا ہے اہلِ مغرب سے فقط رقص و سرود

زندگانی میں اسے سودا ہے لہو و لعب کا
علم ہے دشوار وہ جویا ہے لہو و لعب کا

وہ تن آساں ہے، پسند آتا ہے آساں کام اسے
اس کی فطرت کا تقاضا ہے ملے آرام اسے

دل لگانا اس جہانِ کہنہ میں آسان ہے
ہے دلیل اس بات کی بیگانہ تن ہے جان سے

زندہ رود

تجھ کو تو معلوم ہے کیسی ہے تہذیبِ فرنگ
اس جہاں میں رونما ہیں سیکڑوں فردوسِ رنگ

اس کے جلووں کے اثر سے خانداں بھی جل گئے
پھول پتے جل گئے اور آشیاں بھی جل گئے

اس کا ظاہر روشن و تابندہ و گیرندہ ہے
دل و لیکن ناتواں ہے اور نگہ کا بندہ ہے

آنکھ اس کو دیکھتی ہے اور پھسل جاتا ہے دل
اس صنم خانہ کے آگے سر کے بل جاتا ہے دل

کون جانے دہر میں مشرق کی ہے تقدیر کیا
دل کی ظاہر سے رہائی کے لئے تدبیر کیا؟

ابدالی

شرق کی تقدیر پر اس وقت قادر کون ہے
جز نگاہِ پہلوی(٭۱) و عزمِ نادر(٭۲) کون ہے

پہلوی وہ شاہِ ایراں، وارثِ تختِ قباد
ملک کی ہے، ناخنِ تدبیر میں جس کے کشاد

اور نادر نے کہ ہے سرمایۂ دُرانیاں
کر دیا قائم نظامِ ملتِ افغانیاں

(٭) رضا شاہ پہلوی (٭) نادر شاہ والئی افغانستان

تھا غمِ دین و وطن سے وہ بہت زار و زبوں
آخر اس کا لشکر آیا کوہساروں سے بروں

وہ سپاہی اور سپہ گر اور لشکر کا امیر
دشمنوں کے درمیاں فولاد، یاروں میں حریر

میں فدا اس پر کہ جس نے آپ کو پہچانا ہے
عصرِ حاضر کو بھی جس نے خود پرکھ کر جانا ہے

اہلِ مغرب کا قرینہ کچھ نہیں جز ساحری
غیر پر، اپنے سوا، ہے تکیہ کرنا کافری

سلطان شہید

اب بتا کس حال میں ہے خطۂ ہندوستاں
جس کے برگِ کاہ سے ٹھہرا ہے کہتر بوستاں

وہ کہ جس کی مسجدوں میں تھا جو ہنگامہ گیا
جس کے بتخانوں میں جو شعلہ فروزاں تھا، بجھا

وہ کہ جس کے واسطے میں نے کیا ہے دل کو خوں
جس کی یادیں اپنے سینے سے لگا کر رکھتا ہوں

ہو سکے تو میرے غم سے اس کے غم کا کر قیاس
آہ وہ معشوق جس کا دل ہے عاشق ناشناس

زندہ رود

اب ہیں ہندی منکرِ آئین و قانونِ فرنگ
ان پہ کچھ چلتا نہیں ہے سحر و افسونِ فرنگ

اب ہے ان کی روح کو بارِ گراں آئینِ غیر
خواہ ان کے در پہ لائے آسماں آئینِ غیر

سلطان شہید

مشتِ گلِ سے آدمی جس وقت پاتا ہے نمو
سینے میں دل رکھتا ہے وہ اور دل میں آرزو

کچھ گناہوں کا مزہ چکھنا اسی کا کام ہے
ہر گھڑی خود پر نظر رکھنا اسی کا کام ہے

گر نہ ہو عصیاں خودی ہرگز نہیں آتی ہے ہاتھ
جب خودی آتی نہیں ہاتھ آدمی کھاتا ہے مات

تو نے میری سرزمیں سے غم گساری کی تو ہے
آنکھ میری قبر پر مل کے زاری کی تو ہے

کچھ بیاں کر، اے شناسائے حدودِ کائنات
تو نے دیکھے ہیں دکن میں کوئی آثارِ حیات؟

زندہ رود

دانہ میں نے اپنے اشکوں کا دکن میں بویا ہے
اس چمن کی خاک سے لالہ کو اُگتے دیکھا ہے

رودِ کاویری(*) کا اندازِ سفر کچھ اور ہے
اس کی جانِ مضطرب شوریدہ سر کچھ اور ہے

سلطان شہید

اے کہ خالق نے دیا ہے تجھ کو حرفِ دل فروز
تیرے اشکوں کی تپش سے جل رہا ہوں میں ہنوز

جب کسی دم چاہتا ہے ناخنِ مردانِ راز
جوئے خوں کرتا ہے جاری چھیڑ کر رگہائے ساز

(*) کاویری = دریا کا نام

تیری جاں سے جو نوائے درد آتی ہے بروں
وہ عطا کرتی ہے ہر سینے کو سوزِ اندروں

مجلسِ مولائے کُل میں دی ہے میں نے حاضری
وہ کہ ہے فیضان جس کا رہنمائے زندگی

گرچہ اس دربار میں گفتار کی جرأت نہ تھی
ایک لمحہ کی مجھے دیدار سے مہلت نہ تھی

دل تڑپتا ہے جو تیری گرمئی اشعار سے
آ گیا میری زباں پر کچھ ترے افکار سے

سن کے فرمایا کہ "یہ کس کی نوائے راز ہے
زندگی کے شور و ہنگامہ کی جو غماز ہے"

رودِ کاویری کو اب میری طرف سے اک دو بات
چاہتا ہوں میں کہ تو پہنچا دے دل سوزی کے ساتھ

تو بھی زندہ رود ہے اور وہ بھی ہے اک زندہ رود
کتنی اچھی بات ہے گر ہو سر و داندر سرود



رود کاویری کے نام سلطان شہید کا پیغام
(زندگی، موت اور شہادت کی حقیقت)

رودِ کاویری ذرا آہستہ چل آہستہ چل
شاید اس پیہم سفر سے تو ہوئی ہے مضمحل

مدتوں تو کوہساروں میں رہی نالہ کناں
راستہ اپنی مژہ سے خود بنا کر ہے رواں

اے کہ تو میرے لئے ہے رشکِ جیحوں و فرات
تیرا پانی ہے دکن کے واسطے آبِ حیات

آہ وہ اک شہر (☆۱) ساحل پر ترے آباد تھا
تیرے شیریں آب کی تاثیر سے دلشاد تھا

گرچہ تو کہنہ ہے پر تیری جوانی ہے وہی
پیچ و تابش ہے وہی رنگ و روانی ہے وہی

ایک گوہر (☆۲) دے دیا دنیا کو تیری موج نے
تیرا طرّہ تا قیامت یوں ہی شوریدہ رہے

(☆) شہر سرنگا پٹم کی طرف اشارہ ہے جو سلطان کا پایہ تخت تھا (☆) اپنی طرف اشارہ ہے

وہ کہ تو آئینہ دار اس کی جہانبانی کی تھی
اس کی سطوت کا طوافِ والہانہ کرتی تھی

وہ کہ اپنا نقش اس نے اپنے خوں سے خود لکھا
کاوشِ پیہم سے صحرا کو گلستاں کر دیا

وہ کہ خاک اس کی ہوئی ہے مرجعِ صد آرزو
تیری موجوں کی تڑپ کا ہے سبب اس کا لہو

وہ کہ اس کی گفتگو کا ہم نوا کردار تھا
سارا مشرق سو رہا تھا اور وہ بیدار تھا



تو بھی ہے اور میں بھی ہوں اک موجِ دریائے حیات
ہر نفس کچھ اور ہوتی ہے بدل کر کائنات

زندگانی ہر زماں ہر دم تغیر کا ہے نام
جستجوئے عالمِ نو میں وہ رہتی ہے مدام

دہر میں ہر چیز کا ہے تانا بانا رفت و بود
اور رفت و بود ہی سے ہے ہمہ ذوقِ نمود

راستے بھی رہروؤں کی طرح ہیں گرمِ سفر
ہر کہیں آفاق میں پنہاں سفر پیدا حضر

کارواں ہو یا ہو ناقہ' دشت ہو یا ہو نخیل
ہر کسی کو بخِ نالہ رکھتا ہے دردِ رحیل

پھول ہوتا ہے چمن مین میہمانِ یک نفس
آب و تاب و رنگ و نم ہے امتحانِ یک نفس

موسمِ گل کیا ہے؟ ماتم بھی ہے ناونوش بھی
غنچہ در آغوش بھی ہے نعشِ گل بردوش بھی

میں نے لالہ سے کہا "کچھ دیر تو جل اور بھی"
بولا "میرے راز سے تجھ کو نہیں ہے آگہی

ہے خس و خاشاک سے تشکیل و تعمیرِ وجود
حسرت و غم کے سوا اور کیا ہے پاداشِ نمود؟"



چاہتا ہے تو اگر سوئے وجود آنا' نہ آ
اس سرائے میں عدم کے دیس سے اصلانہ آ

اور اگر آجائے تو چنگاری کی صورت نہ مر
خرمنوں کی جستجو میں بادیہ پیمائی کر

تو اگر ہے مایہ دارِ تاب و تب مانندِ مہر
پھر ہے جو لاں گاہ تیری وسعت آبادِ سپہر

مرغزار و گلستاں و کوہ و دشت و در جلا
ماہیانِ بحر کو تو بحر کے اندر جلا

تیر کھانے کا ترے سینے کو گر ہے حوصلہ
زیست شاہیں کی طرح ہو موت شاہیں کی طرح

زانکہ عرضِ زندگی میں ہے ثباتِ سرمدی
میں نے یزداں سے نہیں چاہا تھا طولِ زندگی

باخبر ہو زیست کے اطوار سے احوال سے
شیر کا اک پل ہے بہتر میش کے سو سال سے

☆☆☆

زندگی کو محکمی دیتی ہے تسلیم و رضا
موت ہے لاریب نیرنگ و طلسم و سیمیا

بندۂ حق شیر ہے موت آہوئے نرمک خرام
ہیں مقام اس کے ہزاروں' موت اس کا اک مقام

مردِ کامل تو جھپٹتا اس طرح ہے موت پر
جس طرح شاہیں کبوتر پر پروں کو کھول کر

موت کے اندیشہ سے ہر لحظہ مرتا ہے غلام
زندگی اس خوف سے ہو جاتی ہے اس کو حرام

بندۂ آزاد کی ہوتی ہے لیکن شان اور
موت آتی ہے تو مل جاتی ہے اس کو جان اور

فکرِ مرگ اس کو نہیں، فکر اپنی ہے پہچان کی
موت ہے آزاد بندوں کی فقط اک آن کی

کر گریز اس موت سے جس کو لحد راس آتی ہے
اس طرح کی موت تو چوپایوں کو بھی آتی ہے

مردِ مومن چاہتا کیا ہے خدائے پاک سے؟
اس طرح کی موت جو اس کو اٹھا لے خاک سے

انتہا ہے جس طرح کی موت راہِ شوق کی
آخری تکبیر ہے جو رزم گاہِ شوق کی

یوں تو شیریں ایک مومن کے لئے ہر موت ہے
پر حسینؓ ابنِ علیؓ کی موت دیگر موت ہے

جنگ شاہانِ جہاں کی ہے فقط غارت گری
جنگ مومن کے لئے ہے سنتِ پیغمبری

جنگِ مومن ایک ہجرت اک سفر ہے سوئے دوست
جنگِ مومن ترکِ عالم، اختیارِ کوئے دوست

جس نے حرفِ شوق سب اقوام کو سکھلایا ہے
"جنگ ہی رہبانیٔ اسلام ہے" فرمایا ہے

دہر میں اس راز کے نکتہ کو جانا کس نے ہے
اپنے خوں سے جز شہید اس کو خریدا کس نے ہے



زندہ رود فردوسِ بریں سے رخصت ہوتا ہے اور حورانِ بہشتی کا تقاضا

شیشۂ صبر و سکوں میرا تھا یکسر چور چور
"تم کو اور آگے" کہا رومی نے "جانا ہے ضرور"

وہ حدیثِ شوق اور وہ جذب و اخلاص و یقیں
آہ وہ ایوانِ روشن اور وہ کاخِ بریں

بادلِ اندوہگیں پہنچا جو میں دروازے پر
ایک حورانِ بہشتی کا ہجوم آیا نظر

ان کے لب پر نعرہ تھا "اے زندہ رود اے زندہ رود
زندہ رود اے زندہ رود اے صاحبِ سوز و سرود

شور و غوغا ہر طرف تھا' کیا یسار اور کیا یمیں
"آ ہماری انجمن میں' ہو ہمارا ہم نشیں"

زندہ رود

راہرو ہوتا ہے جو دانائے اسرارِ سفر
خوفِ رہزن کم ہے اس کو خوفِ منزل بیشتر

عشق کو آسودگی دیتا نہیں ہجر و وصال
وہ نہیں آسودہ ہوتا بے جمالِ لا یزال

عشق کی ہے ابتداء پیشِ بتاں افتادگی
انتہا ہے دلبروں سے ہر زماں آزادگی

عشق بے پرواہے، ہر دم رہتا ہے گرمِ سفر
لا مکاں ہو یا مکاں، ہر جا سے جاتا ہے گزر

ہے یہی شیوہ ہمارا مثلِ موجِ تیزگام
کرتے ہیں ہم اختیارِ جادہ و ترکِ مقام

حورانِ بہشتی

تو زمانے کی طرح رکھتا ہے کتنی کیفیات
اک نوائے خوش سناتا جا، بس اتنی سی ہے بات

زندہ رود کی غزل

تو انساں تک نہیں پہنچا خدا کو ڈھونڈتا کیا ہے
گریزاں خود سے رہ کر آشنا کو ڈھونڈتا کیا ہے

نم و آب اپنی شاخِ گل ہی میں ڈھونڈ اے پریدہ رنگ
صبا سے اپنے دل کے مدعا کو ڈھونڈتا کیا ہے

دو قطرہ خونِ دل کا ہے جسے ہم مشک کہتے ہیں
تو آہو جب حرم کا ہے خطا کو ڈھونڈتا کیا ہے

عیارِ فقر ہے عالم میں شاہی و جہانگیری
سریرِ جم طلب کر، بوریا کو ڈھونڈتا کیا ہے

سراغ اس کا خیابانِ گل و لالہ سے ملتا ہے
نوا خوں ہو گئی میری نوا کو ڈھونڈتا کیا ہے

نظر کی گر ہے خواہش صحبتِ روشن دلاں میں ہے
بصیرت کے لئے پھر توتیا کو ڈھونڈتا کیا ہے

جہاں بینی کرامت ہے ہماری، ہم قلندر ہیں
نگہ ہم سے طلب کر، کیمیا کو ڈھونڈتا کیا ہے

حضور

گرچہ فردوسِ بریں بھی ہے تجلی یار کی
جاں تمنائی ہے تسکیں کے لئے دیدار کی

او جھل آنکھوں سے ہے اپنی اصل، ہم در پردہ ہیں
طائرِ آوارہ ہیں اور آشیاں گم کردہ ہیں

علم کج فطرت اگر ہے اور بد گو ہر بھی ہے
وہ ہماری آنکھ پر اک پردۂ اکبر بھی ہے

علم کا ہو مقصد و منشا اگر ذوقِ نظر
علم ہی ہے راستہ اور علم ہی ہے راہبر

وہ تری آنکھوں کے آگے رکھتا ہے قشرِ (٭) وجود
تاکہ تو پوچھے کہ یہ کیسی ہے کیونکر ہے نمود

راہ کو ہموار کر دیتا ہے وہ اس طور سے
شوق کو بیدار کر دیتا ہے وہ اس طور سے

درد و داغ و تاب و تب تجھ کو عطا کرتا ہے وہ
گریہ ہائے نیم شب تجھ کو عطا کرتا ہے وہ

ہے جہانِ آب و خاک و باد کی تفسیر علم
چشم و دل کی پرورش کی کرتا ہے تدبیر علم

وہ مقامِ شوق و سرمستی پہ لاتا ہے تجھے
چھوڑ کر پھر مثلِ جبرائیل جاتا ہے تجھے

(٭) قشر = چھلکا

عشق کب دیتا کسی کو اپنی خلوت میں ہے راہ
اس کی غیرت کو نہیں برداشت اپنی بھی نگاہ

عشق اول ہم سفر رکھتا ہے اپنا اور طریق
آخرش ۔ تنہا وہ طے کرتا ہے جادہ بے رفیق

☆☆☆

چھوڑ کر آگے بڑھا میں وہ ہمہ حور و قصور
میں تھا اب اور زورقِ جاں تھی مری اور بحرِ نور

بے تحاشا میں ہوا غرقِ تماشائے جمال
جو کہ ہر لحظہ تغیر میں ہے تاہم لا یزال

آگیا میری رسائی میں ضمیرِ کائنات
میری آنکھوں کو نظر مثلِ رباب آئی حیات

جس کا اک اک تار ہے اپنی جگہ اک اور ساز
ہر نوا ہے اور اس کی، ہر نوا ہے دل نواز

سچ تو یہ ہے ہم ہیں سب اک دو دمانِ نار و نور
آدم و خورشید و ماہ و کوکب و جبریل و حور

میری جاں کے سامنے آئینہ آویزاں کیا
مجھ کو حیرت بھی ہوئی مجھ کو یقیں بھی آ گیا

صبحِ امروز آنکھ کے آگے ہویدا جس کا نور
دوش و فردا بھی وہاں موجود تھے اس کے حضور

باہمہ اسرار خود کو آشکارا کرتا تھا
حق مری آنکھوں سے آپ اپنا نظارا کرتا تھا

اس کا دیدار ایسی افزونی ہے جو قائم رہے
رستگاری وہ ہے قبرِ تن سے جو دائم رہے

جستجوئے یک دگر میں عبد و مولا دونوں ہیں
ہر زماں ذوقِ نظر سے ناشکیبا دونوں ہیں

زندگی جس جا بھی ہے وہ ہے سراپا جستجو
ان کھلا یہ راز ابھی ہے صید میں ہوں یا کہ وہ

☆☆☆

عشق نے اب میری جاں کو لذتِ دیدار دی
اور پھر میری زباں کو جرأتِ گفتار دی

"اے بنا ہر دو جہاں میں تجھ سے ہے نور و نگاہ
عالمِ خاکی کا بھی دیکھ اک ذرا حالِ تباہ

بندۂ آزاد کو ہے وہ جہاں ناسازگار
اس کے سنبل سے وہاں ہوتا ہے پیدا نیشِ خار

حکمراں ہیں مبتلائے عشرت و عیش و طرب
کارِ محکوماں ہمیشہ ہے شمارِ روز و شب

تیری دنیا کو ملوکیت نے کر ڈالا خراب
رکھتی ہے تاریک راتیں آستینِ آفتاب

دانشِ افرنگیاں حیلہ جوئی' غارت گری
دیرِ خیبر بن گئے' باقی نہیں ہے حیدری

لا الٰہ جو کہتا ہے وہ عاجز و بے چارہ ہے
فکر کی بے مرکزی سے ابتر و آوارہ ہے

چار موتیں در پئے اسلامیانِ دیر میر(٭)
سود خوار و والی و ملّا و خرقہ باز پیر

اس جہاں کو دیکھ' تیری شان کے شایاں ہے کیا؟
تیرے دامن پر جو ہے اس داغ کا درماں ہے کیا؟

ندائے جمال

کلکِ حق نے ہم کو جو کچھ سازگار آیا لکھا
نقش ہائے نیک و بد سے جو پسند آیا لکھا

(٭) دیر میر = سخت جان

جانتا ہے زندہ رہنا کیا ہے، اے مرد نجیب؟
یہ جمالِ ذاتِ حق سے اپنا لینا ہے نصیب

کیا ہے تخلیق؟ اصل میں اک جستجو دلبر کی ہے
وانما ہونے کی خاطر آرزو دیگر کی ہے

یہ جہانِ رنگ و بو، ہنگامہ ہائے ہست و بود
سب جمالِ ایزدی سے پاتے ہیں اپنا وجود

زندگانی فانی بھی ہے، زندگانی باقی بھی
یہ ہمہ خلاقی بھی ہے یہ ہمہ مشتاقی بھی

تو اگر زندہ ہے تو خلاق بن مشتاق بن
اور ہماری ہی طرح گیرندۂ آفاق بن

نقش جو تجھ کو نہ آئے سازگار اس کو مٹا
حسبِ خواہش اپنے باطن سے نیا عالم اٹھا

بندۂ آزاد کی فطرت کو ہوتا ہے گراں
زندگانی اس کی ہو اور دوسروں کا ہو جہاں

اک بشر جو بے خبر ہے قوتِ تخلیق سے
فرق کچھ رکھتا نہیں وہ کافر و زندیق سے

گر جمالِ حق سے تو لیتا نصیب اپنا نہیں
تیرا نخلِ زندگانی کوئی پھل لاتا نہیں

بندۂ حق! زندگی بھر صورتِ شمشیر رہ
اپنی دنیا کی ہمیشہ آپ ہی تقدیر رہ

زندہ رود

مجھ کو آئینِ جہاں کی صرف اتنی ہے خبر
آبِ رفتہ پھر نہیں ندی میں آتا لوٹ کر

زندگی رکھتی نہیں تکرار کی خو زینہار
اس کی فطرت کو نہیں تکرار آتی سازگار

زیرِ گردوں لوٹ کر آنا گوارا ہی نہیں
قوم جب اک بار گر جاتی ہے پھر اٹھتی نہیں

ملّتیں جو مر گئیں ان کا ٹھکانا اب ہے قبر
کیا کوئی چارہ نہیں ان کے لئے جز قبر و صبر؟

ندائے جمال

زندگی ہر گز نہیں مرہون تکرارِ نفس
زندگی کی اصل کیا ہے؟ حیّ وَ قیّوم اور بس

اس سے قربِ جاں کہ جس نے خود کہا اِنّی قریب(☆)
ہے حیاتِ جاوداں سے اپنا پا لینا نصیب

فرد ہے نورانیوں کا ہم عناں توحید سے
قوم بنتی ہے جہاں میں حکمراں توحید سے

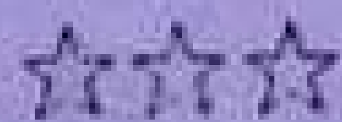
بایزید و شبلی و بوذر بھی ہیں توحید سے
امتوں میں طغرل و سنجر بھی ہیں توحید سے

بے تجلی آدمی کو مل نہیں سکتا ثبات
فرد و ملت کو ہمارا جلوہ پیغامِ حیات

دہر میں توحید سے دونوں کو ملتا ہے کمال
زندگانی اِس کی رکھتی ہے جلال اُس کی جمال

وہ ہے سلمانی ہمہ رنگ اور سلیمانی ہے یہ
وہ سراپا فقر و درویشی ہے سلطانی ہے یہ

دیکھتا وحدت کو ہے وہ' یہ ہے وحدت آپ ہی
بیٹھ اُس کی بزم میں' کر ساتھ اِس کے زندگی



قوم کس کو کہتے ہیں' اے کہنے والے لا الٰہ
گو ہزاروں آنکھیں ہوں لیکن ہو ان کی اک نگاہ

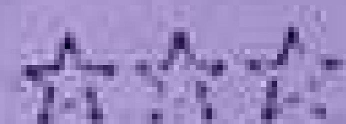
(☆) انی قریب = میں قریب ہوں

ہر زماں مردانِ حق کا حجت و دعویٰ ہے ایک
ان کے خیمے گو جدا ہیں دل مگر ان کا ہے ایک

یک نگاہی کی توانائی سے ذرّے آفتاب
یک نگہ ہو جا کہ حق ہو تیرے آگے بے حجاب

یک نگاہی کو زمانے میں کبھی کم تر نہ کہہ
اک تجلی یہ بھی ہے توحید کی، آگاہ رہ

کوئی ملت راز جب توحید کا پا جاتی ہے
قوت و جبروت اس کے ہاتھ میں آجاتی ہے



انجمن سے روحِ ملت پاتی ہے اپنا وجود
دہر میں منت پذیرِ تن نہیں اس کی نمود

ربطِ باہم سے بقا کی راہ پر آتی ہے قوم
اس کا شیرازہ بکھرتا ہے تو مر جاتی ہے قوم

تو ہے مردہ؟ یک نگاہی سے جہاں میں زندہ ہو
چھوڑ کر بے مرکزی تابندہ و پائندہ ہو

وحدتِ افکار و کردار اپنی ملت کو سکھا
یہ جہاں میں کرتی ہے محکوم کو فرماں روا

زندہ رود

کون ہوں میں ؟ کون تو ؟ آیا کہاں سے ہے جہاں ؟
کیسی دوری ہے یہ تیرے اور میرے درمیاں ؟

بند میں تقدیر کے جکڑا ہوں میں' ایسا ہے کیوں ؟
تو نہیں مرتا ہے' مر جاتا ہوں میں' ایسا ہے کیوں ؟

ندائے جمال

تو جہانِ چار سو میں زندگانی کرتا ہے
اس کے اندر جو رہا کرتا ہے آخر مرتا ہے

زندگی گر چاہتا ہے کر خودی کو پختہ تر
اس جہانِ چار سو کو اپنے اندر غرق کر

آپ ہی پھر دیکھ لے گا میں ہوں کیا اور تو ہے کیا
زندگی کیا' موت کیا' دنیائے رنگ و بو ہے کیا

زندہ رود

معذرت کے ساتھ میں کرتا ہوں ایک اور التجا
چہرۂ تقدیر سے میرے لئے پردہ اٹھا

انقلابِ روس و المان کو بھی میں نے دیکھا ہے
شورشِ جانِ مسلماں کو بھی میں نے دیکھا ہے

میں نے دیکھیں مشرق و مغرب کی تدبیریں ہیں کیا
کچھ ذرا مجھ کو بتا اب ان کی تقدیریں ہیں کیا؟

تجلئی جلال

ناگہاں میں دیکھ کر حیراں ہوا اپنا جہاں
اب وہی اپنی زمیں تھی اور اپنا آسماں

غرقِ تنویرِ شفق گوں تھے مناظر سامنے
سرخ مانندِ طبر خوں(٭) تھے مظاہر سامنے

جاں تجلی سے ہوئی معمور میری اس طرح
میں ہوا بے خود کلیمِ طورِ سینا جس طرح

اس کی ضو نے کر دیا تھا آشکارا ہر نہاں
طاقتِ گفتار سے عاری ہوئی میری زباں

ایسے میں آئی ضمیرِ لا مکاں سے اک نوا
اک نوائے سوزناک و دل فروز و جاں فزا

(٭) طبر خوں = عناب

"شرق سے بھی گزر، افرنگ کا مفتوں بھی نہ ہو
ایک جو کے بھی برابر نہیں دیرینہ و نو

وہ نگینہ جسے تواہر منوں سے ہارا
اسے جبریلؑ کے بھی پاس نہیں رکھتے گرو

زندگی انجمن آرا و نگہدار اپنی
تو کہ ہے قافلے میں باہمہ چل بے ہمہ ہو

مہر سے تجھ کو بنایا ہے فروزندہ تر
اس طرح جی کہ ہو ہر ذرّے میں تیرا پر تو

اسی تنکے کی طرح جو ہو ہوا کی رہ میں
گئے اسکندر و دارا و قباد و خسرو

میکدہ خوار ہوا تیری تنک جامی سے
اب اٹھا شیشہ، حکیمانہ پی، رہ پیا ہو"



جاوید سے خطاب

(نئی نسل سے چند باتیں)

جاوید سے خطاب

(نئی نسل سے چند باتیں)

کیا رکھا آخر ہے میری اس سخن آرائی میں
لب پہ بات آئی نہیں جو دل کی ہے گہرائی میں

جاوید سے خطاب
(نئی نسل سے چند باتیں)

کیا رکھا آخر ہے میری اس سخن آرائی میں
لب پہ بات آتی نہیں جو دل کی ہے گہرائی میں

گرچہ میں نے سیکڑوں نکتے کیے ہیں بے حجاب
ایک نکتہ ہے مگر جس کو نہیں رکھتی کتاب

میں اگر اس کو کہوں پیچیدہ ہو جاتا ہے اور
حرف اور آواز سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور

ہاں، مگر میری نظر میں دیکھ اس کے سوز کو
یا مری آہِ سحر میں دیکھ اس کے سوز کو



تجھ کو درسِ اولیں آغوشِ مادر میں ملا
اس کی بادِ جاں فزاہی سے ترا غنچہ کھلا

تیری آب و تاب تیرا رنگ و نکہت اس سے ہے
تو ہے سرمایہ ہمارا، قدر و قیمت اس سے ہے

دولتِ جاوید سے دامن کو تیرے بھر دیا
لا الٰہ سکھلا کے رازِ زیست افشا کر دیا

آ میں اب تجھ کو کروں ذوقِ نظر سے آشنا
اب سکھا دوں لا الٰہ کی آگ میں جلنا ہے کیا

تو اگر کہتا ہے تو کہہ لا الٰہ ازروئے جاں
تاکہ مہکائے ترے اندام کو خوشبوئے جاں

گردشِ مہر و قمر مرہونِ سوزِ لا الٰہ
میں نے دیکھا سوز رکھتے ہیں یہی کہسار و کاہ

لا الٰہ کو مت سمجھنا یہ فقط گفتار ہے
زندگی میں لا الٰہ اک تیغِ بے زنہار ہے

لا الٰہ کا سوز ہو تو زیست قہاری بھی ہے
لا الٰہ کی ضرب طاقتور بھی ہے کاری بھی ہے

☆☆☆

مومن اور غیروں کے آگے باندھ کر آئے نطاق(☆)
مومن اور غداری و فقر و غلامی و نفاق

کوڑیوں کے مول بیچا قوم کو ایماں کو بھی
آگ گھر کو بھی لگا دی اور سر و ساماں کو بھی

اب ہے سوزِ لا الٰہ سے بے نصیب اس کی نماز
اب ہے عاری ناز کے انداز سے اس کا نیاز

(☆) نطاق = پیٹی' پٹکا

صوم ہے بے نور اس کا، بے حضور اس کی صلوٰت
ہے تجلیات سے محروم اس کی کائنات

وہ کہ جز اللہ اس کا کچھ نہیں تھا ساز و برگ
فتنہ ہے اس کے لئے اب حُبِّ مال و خوف و مرگ

مستی و ذوق و نظر سے وہ نہیں ہے بہرہ مند
وہ لحد میں اور اس کا دیں کتابوں میں ہے بند

عصرِ حاضر کی ادائیں اس کو ایسا بھا گئیں
اب وہ "دو پیغمبروں(٭)" سے سیکھتا ہے حرفِ دیں

مرز بوم اُس کا تھا ایراں اور یہ ہندی نژاد
حج سے وہ بیگانہ تھا یہ ناشناسائے جہاد

جب جہاد و حج نہیں رہ جائیں دیں کے واجبات
جاں سے بے مایہ ہے سارا، پیکرِ صوم و صلوٰت

اور اگر بے روح ہو جائیں نمازیں اور صیام
فرد ناہموار رہ جاتا ہے ملت بے نظام

گرمئ قرآں سے جن کے سینے ہیں یکسر تہی
ایسے لوگوں سے نہیں ہے کوئی امیدِ بہی

(٭) بہاء اللہ ایرانی اور غلام احمد قادیانی

راہ گم کر دی مسلماں نے خودی کو چھوڑ کر
دستگیری کر کہ پانی سر سے گزرا، اے خضر

☆☆☆

اس کا سجدہ جس سے گیتی لرزہ براندام تھی
اس کے حسبِ مدعا ہی گردشِ ایام تھی

اس کا کوئی اک نشاں پڑ جاتا تھا جب سنگ پر
وہ ہوا میں پھرتا تھا مانندِ دود آشفتہ سر

عصرِ نو میں سر بزیری ہے فقط اس کا نصیب
اس کے اندر ضعفِ پیری ہے فقط اس کا نصیب

وہ شکوہِ رَبِّیَ الاعلیٰ کہاں باقی رہا
یہ قصور اس کا ہے اب یا خود ہماری ہے خطا

ہر کوئی ہے اپنے اپنے راستے پر تندرو
اپنی ناقہ ہے جہاں میں بے زمام و ہرزہ رو

صاحب قرآں مسلماں اور بے ذوقِ طلب
اے عَجَب ثُمَّ العجب ثُمَّ العجب ثُمَّ العجب

☆☆☆

گر خدا توفیق دے تقدیر کی تحریر دیکھ
آنے والے دور کے حالات کی تصویر دیکھ

عقل بے خوفِ خدا ہے اور دل ہے بے گداز
آنکھیں بے شرم و حیا ہیں غرقِ دریائے مجاز

زیرِ گردوں علم و فن' دین و سیاست' عقل و دل
کر رہے ہیں سارے کے سارے طوافِ آب و گلِ

ایشیا جو کل تلک تھا مرز و بومِ آفتاب
غیر بیں ہے آج' خود پر ڈال رکھا ہے حجاب

اس کے سینے میں ہے دل بے وارداتِ نو بنو
اس کے حاصل سے بہا میں ہے گراں دودانہ جو

عرصۂ عالم میں اس کی زندگی مرہونِ غیر
ساکن و بے حرکت و یخ بستہ و بے ذوقِ سیر

ہو گیا ہے صیدِ ملّایاں و نخچیرِ ملوک
ایسا آہو ہے کہ اندیشہ ہے جس کا لنگ و لوک

عقل و دیں ہو' دانش و ناموس ہو' یا ننگ و نام
آئے ہیں لردان افرنگی کے سارے زیرِ دام

میں نے دیکھا اُس کے سارے عالمِ افکار کو
چاک کر ڈالا ہے اس کے پردۂ اسرار کو

اپنے سینے میں دلِ بیتاب کو خوں کر دیا
میں نے آخر اس کی دنیا کو دگر گوں کر دیا

☆☆☆

چھیڑا ہے دو حرف سے عصرِ رواں کے ذہن کو
بند میں نے دو پیالوں میں کیا بحرین کو

حرف پیچاپیچ میرے حرف میرے نیش دار
تاکہ یوں عقل و دلِ مرداں کو میں کر لوں شکار

حرف ہیں تہ دار کچھ افرنگ کے انداز میں
نالۂ مستانہ بھی ہے جو نہاں تھا ساز میں

اصل اِس کی ذکر ہے لیکن ہے اُس کی اصل فکر
حق عطا تجھ کو کرے ہر دو جہانِ فکر و ذکر

آجو ہوں دونوں دریاؤں سے میری اصل ہے
یہ جدائی ہے مری اور یہ ہی میرا وصل ہے

اس زمانے کی طبیعت اور ہے رجحان اور
اس لئے برپا کیا ہے میں نے ایک طوفان اور

☆☆☆

نوجواں اب قوم کے ہیں تشنہ لب، خالی ایاغ
شستہ رو، آشفتہ مو، تاریک جاں، روشن دماغ

کم نگاہ و کج خیال و نا امید و بے یقیں
ان کی آنکھوں نے جہاں میں کچھ بھی تو دیکھا نہیں

خود سے منکر ہو کے ناکس کرتے ہیں تقلیدِ غیر
خاک سے ان کی بناتے خشت ہیں معمارِ دیر

منزلِ مقصود سے مکتب کو آگاہی نہیں
کیونکہ جذبِ اندروں کی راہ اسے ملتی ہیں

جاں میں اہلِ مدرسہ کی نور فطرت کا نہیں
اک گلِ رعنا بھی اس کی شاخ سے پھوٹا نہیں

بے خبر معمار ٹیڑھی اینٹیں رکھتا جاتا ہے
چوء شاہیں کو وہ بطخ کی خو سکھلاتا ہے

علم رہتا ہے اگر بیگانۂ سوزِ حیات
دل کو حاصل ہو نہیں سکتا ہے ذوقِ واردات

علم سے تجھ پر عیاں اپنے مقاماتِ بلند
علم سے تو اپنی مخفی آیتوں سے بہرہ مند

آگ میں احساس کی جب تجھ کو جلنا آئے گا
فرق اپنے نقرہ و مِس میں نظر آ جائے گا

علم حق ہے اصل میں اول حواس آخر حضور
اس کا آخر عقل و حکمت کی رسائی سے ہے دور

☆☆☆

سو کتب کا علم گو اہلِ ہنر سے ملتا ہے
درس وہ خوشتر ہے جو تجھ کو نظر سے ملتا ہے

جو ٹپکتی ہے نظر سے وہ شرابِ پختہ تر
ہر کسی کو مست کرتی ہے باندازِ دگر

وہ دمِ بادِ سحر بجھ جاتا ہے جس سے چراغ
لالہ بن جاتا ہے اس سے سرخ صہبا کا ایاغ

زندگی میں کم خور و کم خواب و کم گفتار رہ
گردش اپنے گرد ہی کر، صورتِ پرکار رہ

منکرِ حق جو ہے، ملا کہتا ہے، کافر ہے وہ
منکر خود جو ہے، میں کہتا ہوں، کافر تر ہے وہ

جو وجودِ حق کا انکاری ہوا عاجل ہے وہ
جو نہ جانے آپ کو ظالم ہے وہ جاہل ہے وہ

حرزِ جاں کر شیوۂ اخلاص کو دلشاد رہ
شہریار و حکمراں کے خوف سے آزاد رہ

عدل کو قہر و رضا میں ہاتھ سے جانے نہ دے
قصد(☆) کو فقر و غنا میں ہاتھ سے جانے نہ دے

حکم اگر دشوار ہے تاویل کی کوشش نہ کر
اپنے دل کے ما سوا قندیل کی خواہش نہ کر

ذکر و فکرِ دمبدم سے ہوتی ہے جاں پائدار
گر جوانی میں ہو ضبطِ نفس، تن ہے استوار

اس جہانِ شرق و غرب و پست و بالا میں کہیں
حاکمی بے حفظِ جان و تن کبھی ملتی نہیں

لذتِ رفتار ہے مطلوب و مقصودِ سفر
گر نشیمن پر نگہ ہے اڑنے کو مت کھول پر

چاند گردش کے سبب ہو جاتا ہے صاحب مقام
سیرِ آدم کو مقامِ یک نفس بھی ہے حرام

زندگی کا لذتِ پرواز پر ہے انحصار
آشیانہ اس کی فطرت کو نہیں ہے سازگار

زاغ اور کرگس کی روزی ہے لحد کی خاک میں
رزق شاہیں کا ہے لیکن وسعتِ افلاک میں



(☆) قصد = اعتدال۔ میانہ روی

دین کا سرِّ نہاں صدقِ مقال، اکلِ حلال
خلوت و جلوت میں ہر لحظہ تماشائے جمال

سخت دیں کے راستے میں صورتِ الماس رہ
دل لگا اللہ سے بے خوف و بے وسواس رہ

دیں کے اک نکتے کو اب تجھ پر عیاں کرتا ہوں میں
واقعہ شاہِ(٭٭) مظفرؔ کا بیاں کرتا ہوں میں

اپنے اخلاص و عمل کے وصف میں فردِ فرید
ایک سلطاں جس کو حاصل تھا مقامِ بایزید

اس کو فرزندوں کے مانند ایک گھوڑا تھا عزیز
سخت کوش، آقا کی صورت جو تھا ہنگامِ ستیز

وہ نجیبانِ عرب کے زمرہ سے تھا منتخب
باوفا، بے عیب، سبزہ رنگ اور عالی نسب

مردِ مومن کے لئے اے ہوش مند و نکتہ رس
چیز کیا پیاری ہے جز قرآن و شمشیر و فرس

کس طرح ہو اس کی خوبی کے بیاں کا حق ادا
کوہ و روئے آب پر جاتا تھا وہ مثلِ صبا

جنگ کے دن وہ نظر سے رہتا تھا آمادہ تر
بادِ تند و تیز جیسا طائفِ کوہ و کمر

ہوتا تھا اس کی تگ و دو سے قیامت کا سماں
ریزہ ریزہ اس کے سُم کی ضرب سے سنگِ گراں

ایک دن وہ اسپ جو انسان سے تھا ارجمند
ناگہاں دردِ شکم سے ہو گیا زار و نژند

باہنر بیطار(٭) نے اس کو دوا میں دی شراب
ہو گیا جس کے اثر سے ختم اس کا پیچ و تاب

شاہِ حق بیں پھر سوار اس پر نہیں ہرگز ہوا
جادۂ تقویٰ ہمارے راستے سے ہے جدا

اے تجھے اللہ اگر قلب و جگر کر دے عطا
دیکھ اک مردِ مسلماں کے لئے طاعت ہے کیا



دیں طلب کی آگ میں جلتے ہی رہنا ہے سدا
ابتداء اس کی ادب ہے عشق اس کی انتہا

آبروئے گل کا باعث ہے متاعِ رنگ و بو
بے ادب ہے دہر میں بے رنگ و بو' بے آبرو

(٭) بیطار = جانوروں کا ڈاکٹر

جب کبھی اک نوجواں کو دیکھتا ہوں بے ادب
دن مرا تاریک و تیرہ ہوتا ہے مانندِ شب

اضطراب و بے قراری کو بڑھاتی ہے میرے
یاد عہدِ مصطفیؐ کی دل میں آتی ہے مرے

دیکھ کر اپنے زمانے کو پشیماں ہوتا ہوں
اور قرونِ رفتہ کی یادوں میں پنہاں ہوتا ہوں

سترِ زن یا اس کا شوہر یا لحد کی خاک ہے
سترِ مرداں یارِ بد سے خود کو رکھنا پاک ہے

اپنے لب آلودہ کرنا حرفِ بد سے ہے خطا
ہیں جہاں میں کافر و مومن ہمہ خلقِ خدا

آدمیت اصل میں ہے احترامِ آدمی
باخبر ہو دہر میں کیا ہے مقامِ آدمی

آدمیت کی روش ہے ربط و ضبط تن بہ تن
زندگی میں دوستی کی راہ پر ہو گام زن

عشق کے بندے کا مسلک ہے جو رب کا ہے طریق
کافر و مومن کا ہر عالم میں ہے یکساں شفیق

کفر ہو یا دیں ہو دونوں کا مکاں پہنائے دل
دل اگر دل سے ہو بیزار و گریزاں، وائے دل

دل اگرچہ سینے میں زندانی آب و گل کا ہے
یہ ہمہ عالم، اگر سچ کہہ دوں، عالم دل کا ہے

☆☆☆

گرچہ بستی کے زمینداروں کا ہو سردار تو
فقر اپنے ہاتھ سے جانے نہ دے زنہار تو

سوز اس کا تیری اپنی جان میں خوابیدہ ہے
تو نے اس مے کو نیاگانِ کہن سے پایا ہے

عرصۂ آفاق میں جز دردِ دل ساماں نہ ڈھونڈ
نعمتیں مانگ اپنے رب سے اور درِ سلطاں نہ ڈھونڈ

میں نے دیکھے ہیں بہت مردِ حق اندیش و بصیر
کثرتِ نعمت سے دنیا میں ہوئے ہیں جو ضریر(☆)

کثرتِ نعمت دلوں سے چھین لیتی ہے گداز
اس سے آتی ہے رعونت، اس سے جاتا ہے نیاز

مدتوں میری جہاں گردی میں گزری زندگی
منعموں کی آنکھ میں دیکھا نہیں ہے نم کبھی

(☆) ضریر = اندھا

میں فدا اس پر کہ مسلک جس کا درویشانہ ہے
حیف اس پر رب سے جس کی زندگی بیگانہ ہے

☆☆☆

اب مسلمانوں میں تو اس ذوق کو مت کر تلاش
اس یقیں اس رنگ و بو اس شوق کو مت کر تلاش

عالمانِ عصر قرآں کی سمجھ سے بے نیاز
خوں کے پیاسے بھیڑیے ہیں صوفیانِ مودراز

خانقاہوں میں بہت ہے یوں تو شورِ ہا و ہو
کون ہے مردِ جواں رکھتا ہو مے جس کا سبو

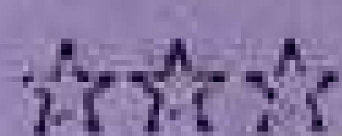
جن مسلمانوں کو بھائی غزیوں کی بود و باش
چشمۂ کوثر کی کرتے ہیں سرابوں میں تلاش

بے گماں ناواقفِ اسرارِ دیں ہیں یہ تمام
اہلِ دیں کے پیرہن میں اہلِ کیں ہیں یہ تمام

ہیں خواص ایسے کہ جن پر خیر و خوبی ہے حرام
جن میں کچھ صدق و صفا آئی نظر وہ ہیں عوام

اہلِ دیں اور اہلِ کیں کے فرق کو پہچان لے
مردِ حق کی ہم نشینی ڈھونڈ کر فیضان لے

کرگسوں کا رسم و راہ و طرز و آئیں اور ہے
طنطنہ و سطوتِ پروازِ شاہیں اور ہے



آسماں سے مردِ حق آ جاتا ہے مانندِ برق
اس کا ایندھن بنتے ہیں صحرا و شہرِ غرب و شرق

ہم ابھی تک ہیں اسیرِ تیر گئی شش جہات
وہ شریکِ اہتمام و انصرامِ کائنات

وہ کلیمؑ طورِ سینا وہ مسیحاؑ وہ خلیلؑ
وہ محمدؐ وہ کتابِ کبریا وہ جبرئیل

وہ ہے لاریب آفتابِ کائناتِ اہلِ دل
اس کی کرنوں سے جہاں میں ہے حیاتِ اہلِ دل

پہلے تو وہ آگ میں اپنی جلاتا ہے تجھے
اور اس کے بعد سلطانی سکھاتا ہے تجھے

اس کے فیضِ سوز و تاب و تب سے صاحب دل ہیں ہم
ورنہ آب و خاک کی اک صورتِ باطل ہیں ہم

میں زمانے سے ہوں ترساں جس میں تو پیدا ہوا
جاں سے بیگانہ و غافل، تن میں ہے ڈوبا ہوا

قحطِ جاں سے جب بدن انساں کا ارزاں ہوتا ہے
مردِ حق اس کے لئے نظروں سے پنہاں ہوتا ہے

مردِ حق کو پا نہیں سکتی ہے اس کی جستجو
وہ اگرچہ دیکھتا ہے اس کو اپنے روبرو

ہاتھ سے لیکن نہ ذوقِ جستجو جاتا رہے
عزم تیرا سو گرہ مشکل کی سلجھاتا رہے

پھر بھی گر ملتی نہیں ہے صحبتِ مردِ خدا
آئیں سکھلاؤں تجھے جو مجھ کو آبا سے ملا

پیرِ رومی کی رفاقت ڈھونڈ جو ہے چارہ ساز
جس سے تجھ کو بخش دے تیرا خدا سوز و گداز

پیرِ رومی کو خبر ہے مغز کیا ہے، کیا ہے پوست
اس لئے اس کا قدم ہے آشنائے کوئے دوست

شرح لکھنے والے معنیٰ کا نہیں رکھتے شعور
جو غزالوں کی طرح ان کی رسائی سے ہے دور

حرف سے اس کے انہوں نے رقصِ تن ہی سیکھا ہے
کچھ خبر ان کو نہیں ہے رقصِ جاں کیا ہوتا ہے

رقصِ تن گردش میں لا کر دیکھتا ہے خاک کو
رقصِ جاں زیر و زبر کر دیتا ہے افلاک کو

رقصِ جاں سے آشکارا سارے اسرارِ نہاں
رقصِ جاں سے ہاتھ آتے ہیں زمین و آسماں

فرد اس کے فیض سے ہے صاحبِ جذبِ کلیمؑ
ملت اس کے فیض سے ہے وارثِ ملکِ عظیم

جاں کو لیکن رقص میں لانا بہت دشوار ہے
غیرِ حق سے توڑنا رشتہ بہت دشوار ہے

نارِ حرص و غم سے جب تک جلتا ہے تیرا جگر
رقص میں زنہار جاں آتی نہیں ہے، اے پسر

ضعف ایماں کا ہے غم، اندوہ و دلگیری ہے غم
نوجوانا! سچ تو یہ ہے، نیمۂ پیری ہے غم

حرص کہتے ہیں جسے وہ فقرِ حاضر کا ہے نام
خود پہ جو قاہر ہے میں اس شخص کا ادنیٰ غلام

تو کہ ہے میرے لئے تسکینِ جانِ ناشکیب
رقصِ جاں سے زندگی میں گر کرے حاصل نصیب

(☆) نصیب = حصہ

تجھ پر افشا سرِ دینِ مصطفیٰؐ کرتا رہوں
تیری خاطر میں لحد میں بھی دعا کرتا رہوں



ضمیمہ

اُن مشاہیر کے سوانح حیات جن کا ذکر کتاب میں آیا ہے

لبدالی' احمد شاہ

جدید افغانستان کے بانی احمد شاہ لبدالی نادر شاہ افشار کے سالارِ اعلیٰ تھے۔ نادر شاہ کی وفات کے بعد افغانستان کو الگ کر کے اپنی حکومت قائم کی۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی ایما پر پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کے خلاف وہ تاریخ ساز معرکہ لڑا جس نے مرہٹوں کی اسلام دشمن قوت کو تہس نہس کر دیا اور ایک طویل مدت تک مرہٹے سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔ احمد شاہ لبدالی کا انتقال **1774**ء میں ہوا۔ ان کا مزار قندھار میں ہے۔

افغانی' جمال الدین

عالم اسلام کے ایک جلیل القدر مصلح **1839**ء (بعض روایتوں کے مطابق **1838**ء) میں کابل کے قریب ایک مقام اسعد آباد میں پیدا ہوئے۔ ایران اور افغانستان میں مختلف مقامات پر حصولِ تعلیم میں مصروف رہے۔ انہوں نے عالم اسلام کا وسیع پیانہ پر سفر کیا۔ دوبار جنوبی ایشیا آئے اور کچھ عرصہ مقیم رہے۔ قسطنطنیہ

اور مصر بھی گئے۔ اس کے علاوہ انگلستان، فرانس، جرمنی، روس اور امریکہ کا سفر بھی کیا۔ جمال الدین افغانی اسلام کے احیاء کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔ وہ بڑی موثر شخصیت کے مالک تھے۔ جہاں بھی گئے اپنے ارادت مندوں کی بڑی جماعت تیار کر لی۔ علامہ اقبال بھی ان کی شخصیت سے بہت متاثر تھے۔

9 مارچ 1897ء کو قسطنطنیہ میں ان کا انتقال ہوا۔

ابو جہل

اصل نام عمر بن ہشام المغیرہ، جہالت کے مذہب پر سختی سے قائم رہنے کی وجہ سے ابو جہل کے نام سے مشہور ہوا۔ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو اذیتیں دینے کے لئے ہر وقت سرگرم رہتا۔ 633ء میں غزوہ بدر میں دو انصاری لڑکوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

بھرتری ہری

بھرتری ہری اُجین کے راجہ کا بیٹا تھا۔ فلسفہ، موسیقی، مصوری اور شاعری میں خاصی دسترس رکھتا تھا۔ جب باپ کی جگہ راجہ بنا تو ایک جوگی رگھو ناتھ کا مرید بنا اور تخت و تاج کو خیر باد کہہ

دیا- اس کا زمانہ پہلی سے تیسری صدی عیسوی کے درمیان متعین کیا جاتا ہے- اس کے اشلوکوں کا انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے- علامہ اقبال نے بعض اشلوکوں کا غزل کی صورت میں ترجمہ کیا ہے-

جہاں دوست (وشوامتر)

اصل نام وشوامتر ہے- اقبال نے اُن کے نام کا ترجمہ "جہاں دوست" کیا ہے- وہ ہندوؤں کے اوتار رام چندر جی کے دوست، بعض حوالوں سے ان کی اتالیق تھے- وہ ذات کی کھشتری تھے- لیکن تپسیا (ریاضت) کی وجہ سے برہمن کا رتبہ پایا- اور سات بڑے رشیوں میں شمار کئے جانے لگے- ایک دھرم شاستر، ایک دھرم وید اور ایک ویدک کے مصنف خیال کئے جاتے ہیں- خود رام چندر جی کا زمانہ متعین نہیں کیا جا سکا اس لئے تاریخ میں ان کے دور کا تعین مشکل ہے-

حلاّج، حسین ابن منصور

حسین ابن منصور حلاج، ایک مشہور صوفی بزرگ، بغداد کے رہنے والے تھے- 858ء میں پیدا ہوئے- ان کی کتاب "الطواسین" تصوف میں خصوصی اہمیت رکھتی ہے- علامہ اقبال

نے بھی ان کی اس کتاب کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ انہوں نے انا الحق کا نعرہ بلند کیا جس کی وجہ سے علماء نے انہیں واجب القتل قرار دیا اور 922ء میں انہیں قتل کر دیا گیا۔

ذوالخرطوم (لارڈ کچنر)

برطانوی فوج کا ایک جنرل 1850ء میں آئر لینڈ میں پیدا ہوا۔ ہندوستان، افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ میں فوجی ملازمت کی۔ 1898ء میں اس نے مہدی سوڈانی کے مریدوں کو شکست دے کر خرطوم پر قبضہ کیا اور وہاں کا حاکم رہا۔ اسی لئے ذوالخرطوم کہا جاتا ہے۔ خرطوم پر قبضہ کے بعد مہدی سوڈانی کی قبر اکھاڑ کر جسدِ خاکی کی بے حرمتی کی۔ 1916ء میں زارِ روس سے ملاقات کے لئے جاتے ہوئے اس کا جہاز ڈوب گیا اور لاش سمندر کی نذر ہو گئی۔

رومی، جلال الدین

فارسی زبان کے مشہور شاعر، مثنوی معنوی کے مصنف مولانا جلال الدین رومی 30 ستمبر 1207ء کو بلخ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد بہاء الدین محمد بن الحسین کا شمار بھی جلیل القدر علماء میں ہوتا تھا۔ اپنے والد کے ساتھ کم عمری میں انہیں بلخ چھوڑنا

پڑا۔ پہلے نیشا پور پھر بغداد اور زنجان سے ہوتے ہوئے قونیہ پہنچے۔ چوبیس برس کی عمر میں اپنے والد کے انتقال پر وہ ان کے جانشین بنے۔

حصولِ تعلیم کے لئے رومی نے حلب اور دمشق کے سفر کئے۔ دمشق ہی میں ان کی ملاقات شمس تبریز سے ہوئی۔ ابتداء میں مولانا رومی بھی تکمیل تعلیم کے بعد درس و تدریس کا کام کرتے رہے لیکن شمس تبریز سے ملاقات کے بعد ان کی زندگی میں یکایک انقلاب آگیا۔ رومی نے شعر لکھنا شروع کئے۔ 1261ء تک کی شاعری زیادہ تر غزلوں پر مشتمل تھی جس کا مجموعہ دیوانِ شمس تبریز کہلاتا ہے۔ 1261ء میں مولانا رومی نے اپنی شہرہ آفاق مثنوی لکھنا شروع کی۔ ان آخری بارہ برسوں میں انہوں نے 25700 اشعار املا کروائے۔ اس مثنوی کا شمار دنیا کی عظیم کتب میں ہوتا ہے۔ 1273ء میں مولانا رومی کا انتقال ہوا۔ مثنوی لور دیوان شمس تبریز کے علاوہ فیہ مافیہ' مجالسِ سبعہ اور مکتوبات معروف ہیں۔

(بحوالہ مولانا رومی' حیات و افکار از افضل اقبال)

زرتشت (زردشت)

ایران کے ایک قدیم مذہبی پیشوا' آذر بائیجان میں 660 ق-م- میں پیدا ہوئے- ایک عرصہ تک ریاضت کے بعد اپنے مذہب کا پرچار شروع کیا- لیکن کسی نے ان کی بات نہ سنی- وہ ہجرت کر کے مشرقی ایران شاہ گشتاسپ کے ہاں چلے گئے جہاں ان کے مذہب کو فروغ حاصل ہوا- وہ کائنات میں دو قوتوں' یزداں اور اہرمن کے قائل ہیں- آگ اس مذہب میں بطور علامت استعمال ہوتی ہے- موجودہ عہد میں پارسی مذہب کی صورت میں موجود ہے- زرتشت کا انتقال 583 ق-م- میں ہوا-

سعید حلیم پاشا

ترکی کی جماعت اصلاحِ دین کے سربراہ تھے- وہ وزیرِ داخلہ و خارجہ اور وزیرِاعظم بھی رہے- وہ ایک عالم اور محقق ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مصلح بھی تھے- ترکی میں مسلم معاشرہ کی اصلاح کے لئے انہوں نے اہم کاوشیں کیں اور مقالات تحریر کئے- انہیں 6 دسمبر 1921ء کو ایک ارمنی نے گولی مار کر شہید کر دیا تھا-

سلطان شہید (فتح علی ٹیپو)

ہندوستان کی ریاست میسور کے آخری حکمراں' 1749ء میں پیدا ہوئے- 1782ء میں باپ حیدر علی کی وفات پر ریاست کے حکمراں بنے- تمام زندگی انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرتے رہے اور ہندوستان کی آزادی کے لئے کوشاں رہے- انگریزوں کو کئی بار میدانِ جنگ میں شکست دی- بالآخر انگریزوں نے مسلسل ناکامیوں کے بعد سازش تیار کی اور سلطان کے قریبی ساتھیوں کو رشوت اور لالچ دے کر ساتھ ملا لیا- سلطان شہید نے منظم انداز میں انگریزوں کا مقابلہ کیا اور اس مقصد کے لئے ترکی کی خلافت اور فرانس کے نپولین بونا پارٹ سے بھی رابطے کئے- انگریزوں کی سازشوں اور اپنوں کی غداری کی وجہ سے 1799ء میں سلطان کو انگریزوں سے شکست کا سامنا کرنا پڑا- وہ 4 مئی 1799ء کو میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے-

شرف النساء بیگم

شرف النساء بیگم نواب عبدالصمد خاں کی بیٹی تھیں جو مغل بادشاہ فرخ سیر کے عہد میں پنجاب کے گورنر تھے- وہ نہایت

عبادت گزار اور صالح خاتون تھیں- قرآن پاک اور تلوار ہمیشہ اپنے پاس رکھتی تھیں- وفات کے وقت وصیت کی کہ ان دونوں چیزوں کو قبر کے تعویذ میں محفوظ کر دیا جائے- چنانچہ ایسا ہی کیا گیا- لیکن سکھوں کے دورِ حکومت میں قبر کو نقصان پہنچایا گیا اور یہ چیزیں نکال لی گئیں- شرف النساء بیگم کا انتقال 1747ء میں ہوا-

طاہرہ، قرۃ العین

مشہور ایرانی شاعرہ، اصل نام زرّیں تاج تھا- والد کا نام ملا صالح تھا- باپ نے اپنی بیٹی کو مروجہ علوم کی تعلیم دی- طاہرہ ملا محمد تقی کے بیٹے سے بیاہی گئی- جب محمد علی باب کا چرچا ہوا تو طاہرہ نے اس سے خط و کتابت کی اور اس کی مرید ہو گئی اور بابی مذہب کی پُرجوش مبلغ بن گئی- اسی وجہ سے اپنے باپ اور شوہر سے تعلقات ختم ہو گئے- نہایت ہی حسین و جمیل اور اعلیٰ درجہ کی خطیب اور شاعرہ تھی- جب ناصر الدین شاہ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو جن لوگوں کو اس الزام میں گرفتار کیا گیا، ان میں طاہرہ بھی شامل تھی- 1852ء میں اسے ہلاک کر دیا گیا-

علی ہمدانی، سید

سیّد علی ہمدانی (شاہِ ہمداں) 1314ء میں ہمدان میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب سولہ پشتوں سے حضرت علیؓ سے ملتا ہے۔ سیّد علی ہمدانی نے زندگی کا بیشتر وقت سیر و سیاحت اور تبلیغ دین میں گزارا۔ اپنے سات سو مریدوں کے ساتھ کشمیر تشریف لائے۔ کشمیر میں اسلام کی اشاعت کا سہرا انہیں کے سر ہے۔ 1385ء میں فوت ہوئے۔ ختلان، تاجکستان میں مدفون ہیں۔ ان کی تصنیف "ذخیرۃ الملوک" معروف ہے۔

غالب، مرزا اسد اللہ

اردو کے نامور شاعر 1797ء میں پیدا ہوئے۔ جائے پیدائش آگرہ ہے۔ لیکن جوانی میں دہلی آکر رہائش اختیار کر لی تھی۔ ان کے دادا سمرقند سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے۔ مرزا کے والد کا نام عبداللہ بیگ تھا جو پہلے لکھنو میں نواب آصف الدولہ کے پاس اور پھر دکن میں نواب نظام علی خاں کے پاس ملازم رہے 1802ء میں ایک حادثہ میں فوت ہوئے۔ اس کے بعد مرزا کی پرورش ان کے چچا نصر اللہ بیگ نے کی۔ لیکن وہ بھی جلد فوت ہو

گئے- اگرچہ بزرگوں نے لاکھوں روپے کی جائداد چھوڑی تھی لیکن بوجوہ مرزا غالب کے حصہ میں معمولی سالانہ وظیفہ آیا جس سے بمشکل ان کا گزارا ہوتا رہا- اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے- لیکن ان کے اردو دیوان کو اردو شاعری میں جو مقام حاصل ہے وہ کسی اور کتاب کو نہیں- مرزا غالب تقریباً تہتر 73 سال کی عمر میں 15 فروری 1869ء کو دہلی میں فوت ہوئے-

غنی کاشمیری

اصل نام محمد طاہر، کشمیر کے مشہور شاعر 1621ء میں پیدا ہوئے- ملاّ محسن فانی کے شاگرد تھے- شعر و سخن کے ساتھ دینی علوم میں بھی یگانہ روزگار تھے- سیّد علی ہمدانی کے ساتھ ان کے آبا و اجداد بھی کشمیر آئے اور اسلام کی تبلیغ میں حصہ لیا- ان کا سالِ وفات 1660ء ہے-

فرعون

فرعون قدیم مصری بادشاہوں کا لقب تھا- لیکن زیادہ معروف فرعون رامسیس ہے- علامہ اقبال نے اسی کا ذکر کیا ہے- وہ حضرت موسیٰؑ کے دور میں مصر کا حکمران تھا- اس نے حضرت

موسیٰ اور ان کی قوم کا تعاقب کیا جس کے نتیجہ میں غرقاب ہوا۔ اس کا دور 1300 ق-م- سے 1200 ق-م- ہے- دوسرے فراعنہ کی طرح اس کی حنوط شدہ لاش بھی محفوظ ہے-

گوتم بُدھ

بُدھ مت کے بانی، پورا نام سدھارتھ گوتم تھا- وہ کپل وستو کے راجا شدھودن کے بیٹے تھے 560 ق-م- میں پیدا ہوئے- راجا کی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا اس کا جانشین بنے- لیکن انہوں نے تیس سال کی عمر میں دنیا ترک کر دی- سات سال تک جنگلوں میں ریاضت کرتے رہے جس کے بعد انہیں ایک گاؤں "گیا" میں عرفان حاصل ہوا- اب انہوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی- لوگ جوق در جوق ان کے مذہب میں شامل ہونے لگے اور یہ مذہب ہندوستان بھر میں پھیل گیا- ان کی تعلیمات سادہ، ذات پات کے نظام کے برعکس انصاف اور رواداری پر مبنی تھیں- ایک روایت کے مطابق انہوں نے 483 ق-م- میں کشی نگر (ضلع گھورکھپور) میں انتقال کیا-

مسیح، حضرت عیسیٰؑ

عیسائی مذہب کے بانی، اللہ کے رسول، عبرانی نام یسوع ہے۔ مسیح کا مطلب نجات دہندہ ہے۔ بیت اللحم میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے ساتھ ہی ان کو کئی معجزے عطا ہوئے۔ یہودیوں نے ان کی والدہ حضرت مریمؑ پر تہمت لگائی جس کی وجہ سے وہ ایک قصبہ ناصرہ چلی گئیں۔ تیس برس کی عمر میں حضرت عیسیٰؑ کو انجیل عطا ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے تبلیغ شروع کر دی۔ ہزاروں غریب اور مظلوم لوگ آپ کے ساتھ ہو گئے۔ جس کی وجہ سے یہودی حکمراں اور مذہبی پیشوا ان کے خلاف ہو گئے اور انہیں باغی قرار دے کر سزائے موت دے دی۔ اسلامی روایت کے مطابق انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا۔ یہ 28 یا 30 عیسوی کا واقعہ ہے۔

مہدی سوڈانی

سیّد محمد احمد اصل نام تھا۔ مہدی سوڈانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ 1843ء میں پیدا ہوئے۔ وہ سوڈانی درویشوں کی تحریک کے بانی تھے۔ اس تحریک نے طویل عرصہ تک انگریزی حکومت

کے خلاف جدوجہد کی- مہدی سوڈانی نے چار سال کے عرصہ میں سوڈان کو انگریزوں سے آزاد کرالیا- لیکن اس کے فوراً بعد 1885ء میں وہ اچانک انتقال کر گئے- 1898ء میں لارڈ کچنر نے درویشوں کے خلاف فتح حاصل کی- اور مہدی سوڈانی کا مقبرہ اکھڑوا کر ان کے جسدِ خاکی کی بے حرمتی کی-

میر جعفر

میر جعفر بنگال کے نواب سراج الدولہ کی فوج کا سپہ سالار تھا- اس کی غداری کی وجہ سے نواب سراج الدولہ کو پلاسی کی جنگ میں شکست ہوئی- انگریزوں نے اس کی غداری کے صلہ میں اسے بنگال کا نواب بنا دیا- 1757ء سے 1761ء تک بنگال کا نواب رہا- اس کے بعد انگریزوں نے اسے بھی معزول کر دیا- 1795ء میں اس کا انتقال ہوا-

میر صادق

سلطان فتح علی ٹیپو شہید کی فوج کا سپہ سالار تھا- میر جعفر کی طرح اس نے بھی اپنے محسن سلطان سے غداری کی اور انگریزوں کے ساتھ مل گیا جس کے نتیجہ میں 1799ء میں میسور کی چوتھی

جنگ کے دوران سلطان فتح علی شہید ہوئے اور انگریزوں کے قدم ہندوستان میں جم گئے۔

نادر شاہ درانی

اصل نام نادر قلی بیگ تھا خراسان کے ایک گاؤں کے ایک معمولی گڈریے کا بیٹا تھا۔ گھر سے فرار ہو کر علی بیگ افشار گورنر ابی ورد کا ملازم ہوا جہاں سے ترقی کرتے کرتے اور کئی علاقوں کو فتح کر کے بادشاہ بن گیا۔ اور نادر شاہ کا لقب اختیار کیا۔ 1739ء میں محمد شاہ کے دور میں دہلی پر حملہ کیا۔ بے شمار دولت اور کوہِ نور ہیرا لے کر واپس ایران گیا۔ دہلی میں دو ماہ کے قیام کے دوران ہزاروں لوگوں کو قتل کیا۔ ہندوستان میں اس کی وجہ شہرت اس کا یہی حملہ ہے۔ 1747ء میں کردوں کی بغاوت فرو کرنے جا رہا تھا کہ افشار قبیلہ کے لوگوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

ناصر خسرو

ایک ایرانی فلسفی اور شاعر 1003ء میں بلخ کے نواح میں پیدا ہوا۔ غزنوی سلاطین کا ملازم رہا۔ طویل عرصہ سیر و سیاحت کی۔ مصر کے فاطمی خلیفہ المستنصر باللہ کے دربار میں بھی گیا اور

اسمٰعیلی مذہب اختیار کر لیا- اپنی باقی زندگی اسمٰعیلی عقائد کی تبلیغ میں گزاری- زندگی کے آخری دنوں میں بدخشاں میں مقیم رہا اور تصنیف و تالیف کا کام کرتا رہا اس کی تصانیف میں زاد المسافرین خاص طور سے قابلِ ذکر ہے- 1088ء میں انتقال کیا-

نطشہ

معروف جرمن فلسفی' پورا نام فریڈرک ولہم نطشہ (نیٹشے) تھا- 1844ء میں روکن (جرمنی) میں پیدا ہوا- لائپزگ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی- 1868ء میں بازل یونیورسٹی میں یونانی ادب کا پروفیسر مقرر ہوا- کچھ عرصہ بعد اس کی صحت بےحد خراب ہو گئی- مختلف عوارض نے حملہ کیا- یہاں تک کہ ذہنی توازن جاتا رہا- اسی حالت میں 1900ء میں اس کا انتقال ہو گیا- نطشہ عیسائی مذہب کا سخت ناقد تھا- اس نے یورپی تہذیب و ثقافت کی خامیوں کو عریاں کیا- اس نے فوق البشر کا تصور پیش کیا اور خدا کے وجود سے انکار کیا- تصانیف کا سلسلہ دیوانگی کی حالت میں بھی جاری رہا- اقبال کے خیال میں اس پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی تھی- اس لئے اسے "مجذوبِ فرنگی" کہا ہے-

عرفانِ بے خودی

علامہ اقبال کی فارسی تصنیف "رموزِ بے خودی" کا منظوم اردو ترجمہ

اقبال کے فکر و فلسفہ میں خودی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور ان کے افکار کی تفہیم کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ اقبال خودی سے کیا مراد لیتے ہیں۔ گزشتہ نصف صدی کے دوران میں اقبال کے فکر و فن پر جو تحقیقی و تشریحی کام ہوا ہے اس میں زیادہ تر اسی نکتے کو ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سب سے پہلے خودی کا فلسفہ 1915ء میں فارسی مثنوی اسرار خودی کے نام سے منظر عام پر آیا۔ اسرار خودی کے تراجم ہی کے ذریعے یورپ میں علامہ کے فکر و فن کی پہچان کا آغاز ہوا۔ یہ کتاب فارسی میں ہے اور پاکستان کی نئی نسل بوجوہ فارسی سے بیگانہ ہوتی جا رہی ہے اس لئے اقبال کے فارسی کلام کو اردو میں منتقل کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ جناب عبدالعلیم صدیقی نے اسی ضرورت کے احساس کے تحت "رموزِ بے خودی" کا منظوم اردو ترجمہ "عرفان بے خودی" کے نام سے کیا ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت)

قیمت -/100 روپے

مقبول اکیڈمی
سرکلر روڈ۔ چوک انارکلی لاہور

کلیات اقبال (مصور ایڈیشن)	علامہ محمد اقبال
کلیات اقبال	علامہ محمد اقبال
بانگ درا	علامہ محمد اقبال
بال جبریل	علامہ محمد اقبال
ضرب کلیم	علامہ محمد اقبال
اسرار و رموز	علامہ محمد اقبال
پیام مشرق	علامہ محمد اقبال
زبورِ عجم	علامہ محمد اقبال
جاوید نامہ	علامہ محمد اقبال
پس چہ باید کرد	علامہ محمد اقبال
ارمغانِ حجاز	علامہ محمد اقبال
عرفانِ بے خودی	عبدالحلیم صدیقی
تفسیر اقبال	ڈاکٹر محمد ریاض
افادات اقبال	ڈاکٹر محمد ریاض
برکات اقبال	ڈاکٹر محمد ریاض
فکر اقبال اور تحریک آزادی	ڈاکٹر ایم ایس ناز
اقبال اور آزادی کشمیر	ڈاکٹر صابر آفاقی
اقبال کی قومی شاعری	ڈاکٹر شمیم ملک

انسائیکلوپیڈیا قائداعظم	زاہد حسین انجم
پاکستان کا مستقبل	ستار طاہر
پاکستان کے پچاس سال	پروفیسر رفیع اللہ شہاب
پاکستان کی اہم سیاسی جماعتیں	ڈاکٹر صفدر محمود
مسلم لیگ ایک قومی تحریک	پروفیسر محمد مظفر مرزا
قائداعظم اور ان کا عہد	رئیس احمد جعفری
خطبات قائداعظم	رئیس احمد جعفری
آزادی ہند	رئیس احمد جعفری
پاکستان کا سیاسی سفر نامہ	ستار طاہر
پاکستان سے پاکستان تک	عشرت رحمانی
معلومات پاکستان	ناصر نقوی
تحریک پاکستان	ناصر نقوی
چناروں کے سائے	ثریا خورشید
گلگت کی روگ کہانی	عثمان علی
تصویر کشمیر	ڈاکٹر ایم ایس ناز
تاریخ کشمیر	ڈاکٹر ایم ایس ناز
عکس کشمیر	ڈاکٹر صابر آفاقی

کلیات اقبال (مصور ایڈیشن)	علامہ محمد اقبال
کلیات اقبال	علامہ محمد اقبال
بانگ درا	علامہ محمد اقبال
بال جبریل	علامہ محمد اقبال
ضرب کلیم	علامہ محمد اقبال
اسرارِ و رموز	علامہ محمد اقبال
پیام مشرق	علامہ محمد اقبال
زبورِ عجم	علامہ محمد اقبال
جاوید نامہ	علامہ محمد اقبال
پس چہ باید کرد	علامہ محمد اقبال
ارمغانِ حجاز	علامہ محمد اقبال
عرفانِ بے خودی	عبدالحلیم صدیقی
تفسیرِ اقبال	ڈاکٹر محمد ریاض
افادات اقبال	ڈاکٹر محمد ریاض
برکات اقبال	ڈاکٹر محمد ریاض
فکر اقبال اور تحریک آزادی	ڈاکٹر ایم ایس ناز
اقبال اور آزاد کشمیر	ڈاکٹر صابر آفاقی
اقبال کی قومی شاعری	ڈاکٹر شمیم ملک